



سگمنند فرزند

(حالات زندگی اور نظریات)

شیر محمد اختر

فہرست

○ حالات زندگی

13	۱
16	۲
25	۳
34	۴
44	۵
53	۶
58	۷
65	۸
71	۹

○ نظریات

77	☆ پس منظر
	☆ دینی زندگی
85	☆ لاشعور
94	☆ دباؤ (Repression)
99	☆ زبان اور قلم کی لغزشیں
104	☆ جنس
113	☆ خواب
130	☆ ایک جائزہ

حالاتِ زندگی



6 مئی 1856ء کو ایک ادنیٰ متوسط درجے کے یہودی گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام سگنڈ فرائڈ رکھا گیا۔ وہ عام بچوں کی طرح بڑھا، جوان ہوا، اس پر بڑھاپا آیا اور بالآخر 1939ء میں تراسی برس کی عمر یا گرفت ہو گیا۔ پیدائش آغاز ہے اور موت انجام..... یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

آدی پیدا ہوتے ہیں، زندگی بسر کرتے اور مر جاتے ہیں۔ کروڑوں ایسے حادثات ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی غیر معروف جگہ میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور جوان ہو کر دنیا میں تھلک بچا دیتا ہے۔ وہ ایک بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ جو سارے زمانے کو اپنے ساتھ بھالے جاتی ہے۔ ایسے لوگ ٹیلنٹس (Genius) کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش زمانے کا بہت بڑا انجمن ہوتا ہے۔ فرائڈ نے دنیا میں اتنا بڑا چنی اٹھاپ پیدا کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی اس کا شدہ ترین مخالف میکڈوگل اس اٹھاپ کا یوں اعتراف کرتا ہے:

”ارسطو کے وقت سے لے کر آج تک کسی نے انسانی فطرت کو اس خوبی سے نہیں سمجھا جیسے فرائڈ نے۔“

فرائڈ انسانیت کا محسن ہے۔ وہ ایک انسان ہے اور ہم اسی زاویہ نگاہ سے اس کی زندگی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہودی ذات کے گرد بڑائی، اچھائی اور مصوہیت کے پردے استے دیڑھ ہوتے ہیں کہ ان کے پیچھے اس کی ذات چھپ جاتی ہے۔ ”بہر فوق البشر ہوتا اور فرشتے اسے عہدہ کرتے ہیں“ فرائڈ نے اپنے تئیں بہر فیکس بنے دیا۔ بلکہ وہ تو ان توہمات سے نہایت دلاتا ہے جو بہرہ کو انسان نہیں رہنے دیتے۔ وہ اپنی بات منوانے کے لئے کسی ”الہامی“ حکم کا سہارا نہیں ڈھونڈتا، بلکہ نہایت دیانت داری اور بیہودگی سے خود اپنی ذات کو ”عمل جراحی“ کے لئے پیش کرتا

ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ آرزو مند نہیں۔ وہ قوتِ حسن ہے۔ اس کا ہر نظریہ انسانی اقدار کو بدلتا ہے۔ ہماری زندگی میں وہ ایسے بہت حسین ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے حسن میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ انہیں اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔ فرائڈ نے انسانی ذہن کو ان دماغوں سے نکالا۔ اور وہ سارے پردے جو ان کی وجہ سے ذہن پر پڑے تھے، ہٹا دیئے۔

فرائڈ میں ایک بڑا سراہ جہلت کا درما نظر آتی ہے۔ وہ نعمت ہے جو فطرت نے اسے عطا کی۔ وہ جس موضوع کو پیش کرتا چاہتا ہے۔ اس کا اثر اذہان پر نہایت کامیابی سے ہوتا ہے وہ جب ”وجدانی دورِ جنی“ سے سرِ بیضوں کے حالات لکھتا ہے۔ تو ان کی ذہنی الجھنیں اور کششِ مرض کی حدود سے نکل کر جیتے جاتے کردار بن جاتے ہیں۔ الفاظ میں سے ان کے چہروں کے نقوش اُجاگر ہوتے ہیں۔ جذبات کا اظہار اتنا نمایاں ہوتا ہے کہ وہ چہرے ہمیں مانوس معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کی عادات و اوضاع و اطوار سے دلچسپی ہونے لگتی ہے ان کی سرشتیں اور دکھ، محبت اور نفرت اتنا فطری ہے کہ ہم فرائڈ کو ایک پاکمال اور بلند پایہ فن کار سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

فن کار اور سائنسدان کا یہ احتِراج کوئی حیران کرنے والی بات نہیں۔ فن کار اپنے کرداروں کی تخلیق کرتا ہے اور سائنسدان (تجزیہ کار) تجزیے کے ذریعے اس تخلیق میں سے ایک اور تخلیق کرتا ہے جو فن کار کی تخلیق کا پرتو ہوتی ہے اور دونوں کا اصل ایک ہی ہے۔

فرائڈ کے نظریات کا مطالعہ سائنٹیفک ذہن سے ہونا چاہئے۔ یہ نظریات بہت انتہائی ہیں۔ اس لئے عقلِ فکر، کشادہ دلی اور وسعتِ نظر کی ضرورت ہے۔

1931ء کا واقعہ ہے کہ فریجرگ (زیکو سلوویکیا) کے قصبے میں وہاں کے باشندوں نے ایک مکان کو یوں عزت افزائی کی کہ اس کے باہر ایک تختی نصب کر دی۔ یہ مکان اب اک یادگار بن گیا ہے اور لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے۔ جہاں سنگھنڈ فرائڈ پیدا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ شاعر جوانی میں مر جاتے ہیں اور پیغمبروں پر ان کے وطن میں کوئی ایمان نہیں لاتا۔ لیکن فرائڈ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ ہٹا کر اس کے وطن میں اس کی اتنی قدر تو کی گئی۔

سنگھنڈ فرائڈ کا باپ یعقوب فرائڈ اون کا سوداگر تھا۔ چالیس برس کی عمر میں اس نے دوسری شادی کی۔ اس کی دوسری بیوی تیس برس سے بھی کم عمر کی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد سنگھنڈ پیدا ہوا۔ اس کی ماں ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ جس میں علم و ادب کا کافی چرچا تھا۔ سنگھنڈ پیدا ہوا تو گاؤں کی ایک بوڑھی عورت نے اسے دیکھ کر پیش گوئی کی کہ ”یہ بچہ بہت بڑا آدمی ہوگا۔“ چنانچہ اس پیش گوئی کو اس کے بچپن میں کافی اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ مگر فرائڈ نے اسے سنا۔ لیکن بڑے ہو کر اس نے اس کے متعلق لکھا کہ ”ایسی پیش گوئیاں بکثرت کرتی چاہیں۔ کیوں کہ بہت سی ماؤں کا دل اپنے بچوں کے متعلق ایسی تمناؤں سے بھر پور رہتا ہے۔ اور گاؤں کی بوڑھی عورتیں اپنی نگاہیں مستقبل پر لگا لیتی ہیں۔ مگر کون چاہتا ہے کہ اس کی پیش گوئی پوری نہ ہو۔“

فرائڈ ایک پیارا بچہ تھا۔ اس کے سر کے بال گھنے اور سیاہ تھے اور اسی لئے ماں پیار سے اسے ننھا مور لہ کہا کرتی۔

پہلی بیوی کے بطن سے یعقوب کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام عمانوئل تھا۔ جب سنگھنڈ پیدا ہوا۔ عمانوئل کی عمر تیس برس کے قریب تھی اور وہ ایک بچی اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔

۱۔ (Moor) مور، عموماً بری اور عمرانی نسل کے باشندے جو افریقہ کے شمال مغرب میں رہتے ہیں۔

سگنڈ کا جتنیہا اُس سے ایک سال بڑا تھا۔ یہ سارا کنبہ ایک ہی گھر میں رہتا تھا۔ سگنڈ اپنی ماں کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ لیکن خاندان میں سب سے چھوٹا تھا۔ عمر کے لحاظ سے اُس کا باپ اُس کے دادا کے برابر تھا۔ سگنڈ کی ماں سوچا بھائی عاناؤکل اور بھائی (عاناؤکل کی بیوی) تینوں ہم عمر تھے۔ سگنڈ بچپن میں اپنے بچپنے سے خوب کھل کر رہا کیا کبھی کبھار دونوں میں جھگڑا بھی ہو جاتا۔ ایک بار جب اُس کے باپ نے دریافت کیا کہ تم نے کیوں اپنے بچپنے کو مارا ہے۔ تو سگنڈ نے بڑی بے باکی سے جواب دیا۔ "اُس نے مجھے مارا تھا۔ میں نے اُسے مارا ہے۔"

سگنڈ کا بچپن شرارتوں سے خالی نہیں تھا۔ ایک بار منع کرنے کے باوجود وہ کوئی چیز اونچی جگہ سے اتار رہا تھا کہ گر گیا اور اُس کے پچلا جیز اڑھی ہو گیا۔ دُغم اتھا کھڑا تھا کہ اُس کا نشان باقی رہ گیا۔ وہ اڑھائی برس کا تھا کہ اُن کے ہاں اُس کی بہن پیدا ہوئی اُسے دیکھ کر اُس نے مسد کا اظہار کیا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ ایک بار تھمس کی تسکین کے لئے والدین کے سونے کے کمرے میں تھمس گیا اور باپ کو اُسے باہر نکالنا پڑا۔

سگنڈ ابھی چار برس کا تھا کہ اُس کا باپ ہجرت کر کے وی آ نکا آ گیا اور وہاں اپنا کاروبار شروع کیا۔ وہ متوسط درجے سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی تعلیم کے متعلق فراموش اپنی "خودنوشت سوانح حیات" میں لکھتا ہے۔

"میں ابھی چار برس کا بچہ ہی تھا۔ جب ہم لوگ وی آ نکا آ گئے اور میں نے اپنی تعلیم ہمیں مکمل کی۔ ہائی سکول میں سات برس تک میں جماعت میں اول آتا رہا۔ اس کی وجہ سے مجھے یہ رعایت دی گئی کہ سالانہ امتحان لئے بغیر مجھے اگلے درجے میں چڑھا دیا جاتا۔ اگرچہ ہمارے گھریلو حالات کوئی اچھے نہ تھے۔ لیکن میرے والد کو اصرار تھا کہ میں اپنے درجہ کے مطابق پیشہ اختیار کروں۔ میں نے معالج بننا پسند کیا۔ حالانکہ مجھے نہ شروع میں اور نہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس فن سے دلچسپی تھی۔ یہ محض تجسس تھا جو مجھے اس سمت جتن لے گیا۔ مجھے قدرتی مناظر سے زیادہ انسان کے افعال سے لگاؤ رہا ہے۔ لڑکپن میں انجیل کی ایک کہانی میں نے بڑھی تھی جس کی وجہ سے مجھے ڈاکٹری کا شوق ہوا۔

سکول میں میرا ایک دوست تھا۔ وہ مجھ سے اگلی جماعت میں پڑھتا تھا اور میں اُس سے بہت متاثر ہوا کرتا۔ بڑا ہو کر وہ سیاست دان بنا۔ میں نے بھی قانون پڑھنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ

سیاسیات میں حصہ لوں۔ اسی زمانہ میں ڈارون کے نظریات کا بہت شہرہ تھا۔ میں بھی اُن میں دلچسپی لینے لگا۔ دنیا کو سمجھنے کے لئے یہ نظریات غیر معمولی طور پر اُمید افزا تھے۔ میں سکول چھوڑنے والا تھا کہ ایک دن ہمارے پروفیسر نے کونجے کا ایک مضمون ”فطرت“ پڑھا کر ہمیں سنایا اور اُس کا اثر یہ ہوا کہ میں نے ڈاکٹری کی طرف رجوع کیا۔

1871ء میں جب میں یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ تو مجھے بہت سی مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا میں چونکہ یہودی تزاو تھا۔ اس لئے مجھ سے توقع کی جاتی تھی کہ میں اپنے آپ کو کٹر جانوں۔ میں نے کبھی یہ گوارا نہ کیا۔ اور نہ یہ بات کبھی میری سمجھ میں آئی کہ مجھے اپنے یہودی ہونے پر شرمانا چاہیے۔۔۔۔۔ یونیورسٹی میں داخل ہونے کے بعد جو تاثرات میں نے لئے وہ اتنے اہم تھے کہ میری زندگی پر اُن کے اثرات باقی رہ گئے۔ زندگی کے ابتدائی ایام میں مجھے مخالفت سے دوچار ہونا پڑا اور میں جان گیا کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اکثریت کے سامنے فرد کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان حوادث نے میری شخصیت میں آزادی فیصلہ کا جو ہر پیدا کرنے میں کافی مدد دی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ فرائنڈ یہودی تزاوند ہوتا تو اُس کے شہرت یقیناً کئی گنا زیادہ ہوتی اور اُس کے نظریات کو قبولیت حاصل کرنے میں اتنی دیر نہ لگتی۔

جب ہم فرانز کے زمانے کا جائزہ لیٹے ہیں تو ہمیں دی آئنا کی سوسائٹی میں عام طور پر ریا کاری اور کافی حد تک منافقت نظر آتی ہے۔ اس کا سبب کچھ تو زمانے کے عام حالت تھی اور کچھ ان حالات کا نتیجہ جو دی آئنا اور آسٹریا کی سرزمین سے خاص تھے۔ اس زمانے میں اگرچہ کچھ بندوں جنس کے متعلق بات چیت کرنا معیوب خیال جانتا تھا۔ لیکن تو جوان تارک گوشوں میں چھپ کر مصنوعی لٹریچر خوب پڑھا کرتے۔ عریاں ادب کی کتابیں عام تھیں اور انہیں بچے تک لے کر پڑھتے تھے۔ کئی ادیب جو آج اپنے ادبی معیار کی وجہ سے نامور منے جاتے ہیں اور جن میں فرانسیسی ناول نگار ریمیل زولا سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اُس زمانہ میں اُن کی کتابیں زہریلی کھجی جاتی تھیں اور نو جوان عورتوں کو اُن کے پڑھنے سے باز رکھا جاتا تھا۔ اس طرح ان کتابوں کی چار بیٹ اور بڑا چھ جاتی اور وہ زیادہ مقبول ہوتیں۔

اُسی زمانے کی ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ متوسط طبقے کے ذہنوں پر اشتراکی ادب تسلط جمارہا تھا۔ اسی زمانے میں جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر بیٹل (Bebel) نے ایک کتاب شائع کی جس میں "عورت کے حقوق" پر بحث کی گئی تھی۔ اس کتاب میں ملوثانیت کے مسئلے پر کچھ الفاظ میں بحث کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی اور اس سے رجعت پسند طبقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ کیوں کہ مصنوعی مسائل پر اس بے ہاکی سے تنقید کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔

اُس وقت دی آئنا کی سوسائٹی میں دورانی پائی جاتی تھی۔ اُس وقت کا ذہن خلوص سے بڑی حد تک عاری تھا۔ جہاں تک سیاسی اور سماجی پس منظر کا تعلق ہے یہ درجہ ان عام تھا۔ کہ جب حالات ناموافق ہوں تو رخ پھیر لیا جائے اُس وقت آسٹریا میں آئینی بادشاہت اپنی ظاہری شان و شوکت

کے ساتھ قائم تھی۔ آزادی کا دستور موجود تھا۔ پارلیمان کے دو ایوان تھے اور دو صد اور دو راہ کی کاہنہ بھی۔ خود مختار عدالتیں تھیں اور حکومت کی پوری مشینری بھی۔ لیکن اس کے باوجود داخلی طور پر یہ سارے ادارے بے جان تھے ان کو ذرا بھراقتیاء حاصل نہ تھا حکومت کا سارا اختیار آسٹریا کے "آتش خانہ انوں" کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ امرام کی ایک ایسی ذبردست جماعت تھی کہ کوئی اس کی مخالفت کا خیال دل میں لاتا۔ تو یہ اس نکال باہر کرتے۔ انہوں نے آپس میں رشتے ٹاٹے کر لئے تھے اور "آتش خانہ ان" ایک کنبہ بن گئے تھے۔ بادشاہ بوڑھا تھا اور دربار کے آداب اس قدر سخت تھے کہ وہاں تک رسائی مشکل تھی۔ راہی اپنی رعایا سے بالکل کٹ گیا تھا۔ اس کے گرد جس قدر امرام اور درباری تھے۔ سب کے سب انہیں "خانہ انوں" کے افرو تھے۔ حکومت کے ہر شعبے پر انہی کا تسلط تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے چل دھا کر پائے۔ ملک کی جس قدر زمین تھی اس پر ان لوگوں کا قبضہ ہوتا گیا۔ جنگلات، ہنیز و زار، چراگاہیں، ہل و مویشی سب ان کی ملکیت تھے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ملک بھر کے کسانوں کے بھی مالک تھے۔ حکومت کو تا وہ اپنا پیداہنی حق سمجھتے تھے اور حکومت کا نشان کے دگ و پے میں اس حد تک سرایت کر گیا تھا کہ انہوں نے بھی یہ سوچنے کی رحمت ہی گوارا نہ کی تھی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی بھی ہے جس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جاہ و حشمت انہیں ورٹے میں ملتی تھی اور وہ اپنی خانہ دانی روایات پر پوری طرح قائم رہتے تھے۔ انفرادی طور پر ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جن کی ذات قابل قدر اور شخصیت جاذب نظر تھی۔ کچھ لوگ ذہین بھی تھے لیکن مجموعی طور پر ان کا تاثر عوام کی زندگی پر اچھا نہیں تھا۔

یہاں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ وی آ نکالو خود نشی کے شعبہ تعلیم کا ایک پروفیسر ذرا بے باک واقع ہوا تھا۔ مقابلے کے امتحان میں جہاں وہ مسخن تھا۔ ایک نو عمر لڑکا اس کے سامنے پیش ہوا۔ یہ "آتش خانہ انوں" والے کنبے کا ایک فرد تھا۔ لڑکا بالکل کورا تھا اور کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ پروفیسر نے مسخرے طور پر اسے مخاطب کر کے کہا۔ "نواب زادہ صاحب ایہ تو میری طاقت سے باہر ہے کہ میں آپ کو گورنر کے مہدہ پر حتمکن نہ ہونے دوں۔ اتنا ضرور کر سکوں گا کہ یہ فیصلہ ایک سال کے لئے ملتوی ہو جائے۔"

اس دور میں زندگی کے ہر شعبے میں ایک ابہام تھا۔ ظاہر طور پر سیاسی جماعتیں موجود تھیں۔

انتخاب لڑے جاتے تھے۔ پارلیمنٹری مہاٹمے ہوتے تھے قانون پاس کئے جاتے تھے اور ان کی تعمیل کے لئے دفاتر بھی موجود تھے اور بھاہر بھی ہوتا تھا کہ ملک میں جمہوریت کے اصولوں پر حکومت کا نظام چل رہا ہے لیکن یہ محض دکھاوا اور دھوکہ تھا۔ جس سے یہودی دنیا کو مغالطہ دیا جاتا اس زمانے میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے ضروری تھا۔ کہ ”اوپر کے طبقے“ کی سفارش ہو۔ اگر کوئی براہ راست ان تک نہ پہنچ سکا۔ تو اسے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی۔ جن کو اس طبقے نے اختیار دے رکھے تھے۔ اگر کوئی یہ چاہتا کہ قانون کی حدود کے اندر رہ کر اپنا مقصود حاصل کر لے۔ تو یہ ناممکن تھا۔ مطلب برابری کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنا لازمی تھا۔ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے جو اطلاعات کئے جاتے۔ ان کا تعلق اصل فیصلے سے کم ہوتا تھا۔ قول و فعل میں کافی تضاد تھا۔

متوسط طبقے کے لوگ اشرافیہ کے نقش قدم پر چلنا باعث انتظار سمجھتے تھے۔ اس نگاہ میں ذرا ذرا سی بات تک کا دھیان رکھا جاتا۔ یہودیوں کا امیر طبقہ بھی کافی آگے بڑھ آیا تھا۔ ان کا مذہب اب ان کی براہ میں رکاوٹ نہ رہا تھا۔ بلکہ دولت کی فراوانی ان کے آگے لانے میں مدد دے رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امیر یہودی اور غریب یہودی میں فرق ہونے لگا۔ برسر اقتدار طبقے کا طرز زندگی بہت دلفریب اور مرحوب کن ہوتا تھا۔ اور اس کا اثر بہت گہرا..... اس زمانے میں ”امارت“ کا لفظ ہر قسم کی وضع داری امیرانہ فضا میں جا ڈھیت اور مرحوب کرنے کی بلند ترین تعریف کے مترادف تھا۔ متوسط طبقے کے لوگ لباس اور اوضاع و اطوار کے اظہار میں کوشش کرتے کہ انہیں اشرافیہ میں سے سمجھا جائے۔ یہ حسین دھوکا دینے کے لئے معقول پلٹوئی جاتی۔ اور دل کھول کر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جن کی گھریلو زندگی بالکل معمولی تھی۔ وی آنا بھر میں پلٹ لینے اور دینے کا اتنا رواج تھا کہ جب کوئی کسی کے ہاں جاتا تو دروازہ کھولنے والا خادم بھی پلٹ کا طالب ہوتا۔ ایک طنز نگار نے لکھا ہے کہ ”حشر کے دن وی آنا کے لوگ سب سے پہلی چیز جو دیکھیں گے وہ ایک ہاتھ ہوگا جس نے ان کا تالوت کھولا ہوگا۔ اور وہ ہاتھ پلٹ کے لئے پھیلا ہوگا۔“

پلٹ کر نا جاگیردارانہ نظام کا ایک ممتاز پہلو تھا۔ جو شخص ”امارت“ سے تعلق رکھتا۔ اس کی اس

رسم سے روگردانی حقیر کا باعث تھی اور اپنی ذلت و حقیر کون برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے کبھی ایسا موقع ہی نہ آنے دیا جاتا تھا۔

جب کوئی شخص کسی اچھے ریسٹوران میں کھانا کھاتا تو اسے چار مختلف طبقوں کو شپ کرنا ہوتا تھا۔ سب سے پہلے اس خادم کو جو آؤڈر لیتا یہ عموماً خادموں کا سربراہ ہوتا دوسرا نمبر اس خادم... کا ہوتا جو کھانا لے کر آتا۔ تیسرے درجے پر وہ خادم تھا۔ جو کھانے کے بعد شراب لاتا اور چوتھا خادم ریسٹوران کے باہر کھڑا ہوتا اور ہر جانے والے کو کوٹ پہنانے میں مدد دیتا یا گاڑی میں سوار کرانے کے لئے دروازہ کھولتا۔ ریسٹوران کے خدام شپ کی مالیت کے مطابق ہر آنے جانے والے کو مخاطب کرتے تھے۔ سب سے اونچی درجے کا خطاب ”ہرڈ اکٹز“ تھا جو طالب علموں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے بعد ”ہرفان“ (Herr Von) کا درجہ آتا۔ (فرانسیسی میں اس کا مترادف مونسینئر تھا) اور سب سے بڑا درجہ ”ہیریٹن“ (حضور نواب صاحب) کا تھا۔ ان القاب میں دینی یا کاری موجود تھی جو زندگی کے دوسرے شعبوں میں پائی جاتی تھی۔ مثلاً ایک طالب علم کو ”ہرڈ اکٹز“ کہہ کر پکارا جاتا اور جب وہ اور زیادہ شپ کرنے لگتا تو اسے فوراً ”ہرفان“ کا لقب عطا ہوتا۔ کھانا پینا شخص شپ کے ذریعہ ”ہیریٹن“ بن جاتا۔

دی آئنا کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہاں پہلی عالم گیر جنگ سے قبل اجتماعی پیداوار کے خلاف ایک عام جذبہ پایا جاتا تھا۔ دی آئنا کے باشندے ہر چیز میں انفرادیت کے قائل تھے۔ اگر کسی بات میں انفرادیت میسر نہ آتی تو اپنے تئیں دھوکا دینے کی کوشش کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ سے پہلے دی آئنا میں کوئی ایسا بڑا اسٹور نہیں تھا جہاں کاروبار کا ہر شعبہ موجود ہو۔ ہر شخص کا ”اپنا“ درزی ہوتا اور ”اپنا“ خوردہ فروش اور سب سے زیادہ اہمیت ”اپنے“ کافی ہاؤس کو دی جاتی۔ دی آئنا والوں کو کافی سے والہانہ محبت تھی۔ جب کوئی ”اپنے“ کافی ہاؤس میں جاتا تو وہاں کا ہیرا اس کی مرضی کے مطابق خود بخود کافی ہلائی اور شکر لاکر حاضر کر دیتا۔ اپنے کافی ہاؤس میں یہی تو خصوصیت تھی کہ وہاں کے خدام آپ کی پسند کو جانتے تھے۔ پھر کافی کی کئی اقسام تھیں جو مختلف لوگوں کی پسند کے مطابق ہوتیں۔

دی آئنا کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ ”دی آئنا میں زندگی نصف شاعری بن کر شاعر کی قوت تخلیق کو کنٹرول کر دیتی ہے۔“ پھر یہاں کی عدم مساوات کی ساحرانہ کشش دل کو بھاتی تھی۔

بعض لوگوں کے لئے اس کشش کی حرارت مگرنا اور سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ ایک طرف تیرہ دہائیوں کی ہیں۔ مکانات کے ساتھ گندگی پڑی ہے۔ گھروں کے معرصت کمرے اور گلی کو چوں کا شور و شعبدہ اور دوسری طرف کا تھک طرز کے عالی شان گرجے اور بلند و بالا محلات کھڑے ہیں۔ سرسبز پہاڑیوں کی نیزمیں کثیر شہر کو گھیرے ہے۔ اور ہر سوڑ پر کوئی نہ کوئی جنگل اور چراگاؤ نظر آتی ہے۔ ایک ہی شہر میں یہ دو متضاد نظارے ایک دوسرے میں اس ساحرانہ طریق سے سموئے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے اس حیرت انگیز طریق سے جمالیاتی ذوق کے ساتھ تعصب اور حرص و ہوا بھی ان کی طبیعت میں گھلی ملی ہوئی تھیں جو زندگی کے ان تاریک اور روشن پہلوؤں کے مابین تھے۔ پھر ان کی فانی حالت کا مظاہرہ ایسی صورتوں میں ہوتا۔ جن کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔

انسان نے حسن کی تخلیق مختلف صورتوں میں کی ہے۔ وی آنکا والوں کو اس کی دو صورتیں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ ایک سنگیت اور دوسرا ڈراما۔ وی آنکا کی یہ دونوں باتیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ فرانڈ زندگی بھر سنگیت سے بے بہرہ رہا اور فنون سے صرف یہی ایک ایسا فن تھا جس سے اُسے لگاؤ نہ ہو سکا۔

ڈرامہ کو وی آنکا کی زندگی میں سنگیت اتنا داخل نہیں تھا۔ سارے یورپ میں وی آنکا ہی ایسی جگہ تھی۔ جہاں سترہویں صدی میں محوای خمیز کا رواج ہوا۔ اولیٰ شہ پاروں کے بجائے پرہوں کی کہانیاں یا مزاحیہ ڈرامے پیش کئے جاتے۔ انیسویں صدی میں اگرچہ اس میں کچھ ترقی ہوئی مگر پھر بھی پرانے ڈرامے کے آثار باقی رہے۔ وی آنکا کے لوگ خمیز کے ایسے ہی دلدادہ تھے جیسے سترہویں صدی میں۔ محالس میں خمیز اور اداکاروں پر خواب دوائے زنی ہوتی اور اس دوائے زنی کو وہی مقام حاصل تھا جو سیاسی اور سماجی مسائل کو۔

خمیز کا شوق وی آنکا میں اس قدر ترقی کرتا گیا کہ تماشا گاہ سے نکل کر زندگی پر حاوی ہو گیا۔ لوگ اپنی روزمرہ زندگی میں اداکاری کے موقع تلاش کرنے سے نہ چو سکتے۔ پولیس کا سپاہی جب کسی ڈرامہ برد کے مشابہ کرتا یا کوئی عورت ہنری والے سے سودا سلف لیتی۔ بس کا کنڈکٹر بات کرتا یا عدالتوں میں مدعی اور مدعا الیہ ایک دوسرے پر جرح کرتے تو اپنا پارٹ خوب ادا کرتے۔ یہ اداکاری ان کی زندگی کا ایک جزو تھی۔ وی آنکا والے اپنی عظیم طبیعت اور دلاویزی کے سبب مشہور ہیں۔ اپنی اس اداکاری میں یہ دونوں صفات شامل کر لی جاتیں۔

ایک طرف تو یہ حالت تھی اور دوسری جانب دلدوز نظارے سامنے آتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے وی آ نکا کو یہ شہرت دی۔ اُن کے ساتھ وی آ نکا والوں کا سلوک بہت برار ہا۔ حکمت کا جنم داتا بد حالی میں مرا۔ اکثریت ادیب، سائنس دان اور مفکر وی آ نکا والوں کی بے حسی کا شکار ہوئے۔ فرائڈ نے وی آ نکا والوں کی بے حسی کا ذکر کیا ہے۔ تجربے نفس کی تحریک میں شامل نہ ہونے کے سلسلے میں وی آ نکا سے جو کچھ ہو سکا اُس نے کیا۔ دنیا کے کسی اور حصے میں قاضی لوگوں اور تعلیم یافتہ طبقوں نے اتنی صریح بے رخی اور معاندانہ سلوک کا اظہار نہیں کیا جتنا وی آ نکا میں کیا گیا۔ شاید اس کا سبب کچھ میری اپنی بے اعتنائی ہے میں نے اپنے طریق علاج کی زیادہ تفسیر نہیں کی۔ اگر میں کوشش کرتا اور اس بات کی تحریک کرتا کہ میڈیکل سوسائٹیوں کے عام جلسوں میں تجربے نفس پر گرم بحثیں کی جائیں۔ ایسے موقعے ڈھونڈ لانا جن میں آپس کی چپقلش کا سامان مہیا ہو سکا اور دلوں کا بخار نکالا جاسکتا۔ تب شاید یہ ممکن ہوتا کہ تجربے نفس پر جو پابندی لگائی گئی ہے۔ وہ اب تک اٹھائی جاتی۔

فرائڈ کی شخصیت اس کی طرز فکر اور بود و باش اُس ماحول کے کلیتہ مخالف تھے جو اُس وقت وی آ نکا کا تھا اور جس میں ایک طرف دیا کاری اور پری دل کشی اور تصنع پایا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے فرائڈ نے بڑی شدت سے حلق حقیقتوں کے قبول کرنے پر زور دیا۔ حقیقتات کے ذریعے وہ باتیں کر دیتے۔ جن کا تصور بھی محال تھا اور نہایت جرات اور مردانگی سے اُس نے دنیا کی نیند میں خلل ڈالا۔

فرائڈ کے نظریات نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس سے متاثر ہو کر بعض لوگ اس لئے اُس کے نزدیک آئے کہ اُس کی زندگی بھی شاید ہنگامہ خیز ہوگی لیکن انھیں بڑی مایوسی ہوئی کیوں کہ اُس کی تحریروں میں اشتعال اور لرزہ خیزی تو ضرور تھی۔ مگر اُس کی زندگی نہایت سکون سے بسر ہو رہی تھی۔ انھیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی اُس میں کوئی رگشیں تھی نہ جذباتی عادات فرائڈ ان باتوں سے گریز اس تھا۔ وی آ نکا کی زندگی کو اپنا کر اُس میں ڈرامائی عنصر پیدا کرنے کی بجائے وہ روز بروز اس زندگی سے دور ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ اس ماحول سے بالکل الگ تھلک تھا۔

وی آ نکا کی زندگی کے کاروبار کو سمجھنا اچھا خاصا مشکل کام تھا۔ ایک طرف پرانی وضع اور دوسری طرف نئی پود۔ نفس پرستی کے کے بالفاظ زہد و تقویٰ اس دو گونا ماحول نے اپنی دیا کاری

اور تصنع کے باوجود بڑے بڑے انسان پیدا کئے دی آ نکا میں متوسط طبقہ اپنی اکثریت کے باعث اقتصادی طور پر بھی پورے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن اس اکثریت میں ذہین لوگوں کی کمی تھی۔ عام لوگوں کی ذہنی دلچسپیاں محدود تھیں اور ان میں تنگ نظری کو زیادہ دخل تھا۔ گفتگو میں عامیانہ پن زیادہ اور ذوق سلیم کا فقدان تھا۔ وہ لوگ جنہیں نکسا پڑھا کہا جاتا ان کا حال بھی کوئی بہتر نہ تھا۔ تحقیق اور تحصیل علم کا شوق نام کو بھی نہ تھا۔ دنیا بھر کی نعمتوں کا حاصل یہی خیال کیا جاتا کہ انسان کھائے پیئے اور خوش رہے۔ اس پر انہیں فخر تھا اور وہی آ نکا کے اکثر لوگ اسی میں مستغرق رہتے۔ صرف چند لوگ ایسے تھے جن کی ذہنی اقدار بلند تھی۔

ذہنی آ نکسی کے اس پس منظر میں ایک ایسا ذہین انسان پیدا ہوا۔ جس نے اپنے علم و فضل کی روشنی سے لوگوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔ اور ساری دنیا کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

بعض مقررین نے بار بار فرانز کے جنسی نظریات

کو وی آ نکا کے ماحول کی پیروار بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس زمانے میں وی آ نکا میں جنسی آزادی بہت زیادہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ فرانز نے بھی اسی سکتے پر سوچا ہے۔ اس کے ساتھ یہ لوگ ایک اور کہادت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہودی ذہن ہمیشہ غیر معمولی طور پر جنسی خیالات کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ یہ خیال بالکل وہی حثیت رکھتا ہے جو یہودیوں کی آوارگی کو حاصل ہے۔ لیکن فرانز نے اس خیال کی پر زور تردید کی ہے اور اپنے مضمون ”تجربہ نفس کی تاریخ“ میں اس کا مفصل جواب دیا ہے۔

تخلیقین نے فرانز کے نظریات پر وی آ نکا کی مہر کا کر کوئی کمال نہیں کیا۔ بلکہ اس سے ان کے استدلال کا بودا پن نمایاں ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب ہم فرانز کے جنسی نظریات اور وی آ نکا کی جنسیت کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں تضاد نظر آتا ہے۔

وی آ نکا کی جنسیت میں محبت کی ہنگامیں بڑھانے کا شوق دل آویزی اور یہودی پائی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں فرانز کا جنس کا نظریہ بڑا تلخ المٹاک اور غلامانہ حقیقتوں کا حامل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرانز چار برس کی عمر میں وی آ نکا آیا وہیں اسے نے ہوش سنبھالا اور تعلیم پائی۔ اسی برس تک وہیں رہا۔ تعلیم کے دوران میں اسے ایسے استاد بھی ملے جنہوں نے اس کے

سامنے خیالات کی نئی راہیں کھول دیں۔ اور اُسے تحقیقات میں بھی مدد دی۔ ان باتوں کا اس پر ضرور اثر ہوا ہوگا۔ لیکن وہ تمام زندگی یہ محسوس کرتا رہا کہ وہ وی آ نکا کے قریب نہیں ہے اور نہ وی آ نکا اُس کے قریب ہے۔ یہ مصلوئی نقادوں فرائڈز اُس کے ساتھ ٹھیک نشوونما اور وی آ نکا کے باہین آ فرد تک باقی رہا۔ برسوں وی آ نکا کے ہاشدوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ خود مٹی کے خداوندوں نے اُسے اس قائل نہ سمجھا۔ وہ تو اپنے ذہم میں ماہرین بنے بیٹھے تھے اور ان کی ہر بات حرف آخرا یسے میں فرائڈز کا نئے نظریات پیش کرنا انہیں کب بھاتا تھا وہ لوگ جو ان خداوندوں کے پرستار تھے۔ فرائڈز کی طرف کیوں توجہ دیتے۔

ایک دو بار اس کی تحقیق کی کوشش کی گئی۔ لیکن عام طور پر اسے اور اس کے کام کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب فرائڈز کی شہرت چارواگ عالم میں پھیل گئی اور دنیا کے ہر حصے سے لوگ مشورہ کے لئے آنے لگے۔ جب بھی مشورہ لینے والوں میں وی آ نکا کے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی۔ جب فرائڈز کی شہرت ایک ناقابل انکار کی حیثیت بن گئی تو پھر مجبوراً اس کی طرف توجہ ہونے لگی۔ علیٰ غلے پھر بھی اپنی ضد پر قائم رہے۔ اور فرائڈز کا یہ عالم کہ وہ بدستور وی آ نکا سے الگ تھلک تھا۔ اور شہرت جہاں سے اپنے وطن میں بہت دیر بعد پھرائی تھی اُس سے بے پروا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ قائل ذکر ہے۔ جنگ سے پہلے اُسے فلکس کے محلے سے ایک پروانہ موصول ہوا۔ جس میں اُن حسابات کی درستی پر شک ظاہر کیا گیا تھا جو فرائڈز نے محلے کو بھیجے تھے۔ پروانے میں درج تھا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی شہرت دنیا کے مختلف حصوں سے ایسے لوگوں کو یہاں لاتی ہے۔ جو کافی فیس ادا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب فرائڈز نے یہ دیا۔ کہ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی ہے کہ آسٹریا میں پہلی بار میرے کام کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

فرائڈز کی زندگی پر وی آ نکا کا اثر منفی تھا۔ جس کی وجہ سے وہ وی آ نکا سے دور ہوتا گیا اور اُسے اُس کی دلربائی بھائی نہیں۔ اُس کا سوتلا بھائی اپنا خاندان لے کر انگلستان چلا گیا۔ اور اُس نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جب فرائڈز کے کنبے کا ایک حصہ وی آ نکا سے چلا گیا تو اس کا اثر کم نہ تھا۔ بلکہ تو ضرور ہوا ہوگا۔ پھر فرائڈز نے اپنی بیوی ایک ایسی لڑکی انتخاب کی جو وی آ نکا کی رہنے والی تھی۔ چنانچہ فرائڈز کی بیوی اور مالی جو عمر بھر ان کے ساتھ رہی پچاس برس وی آ نکا میں گزارنے کے باوجود وہاں کے طور طریقوں سے متاثر نہ ہوئیں۔

دی آ نکا میں کوئی انجینی بھی آ جائے تو اس کی بول چال میں مقامی رنگ ضرور آ جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں کا لب و لہجہ صر بھرا پتا رہا۔ اور اس میں ذرہ بھر بھی تہذیبی نہ ہوئی۔ یہ دونوں ہسبرگ کی رہنے والی تھیں۔ جہاں کی جرمن زبان اپنی خاصیت کے لئے مشہور تھی۔ یہ دونوں لوگوں سے زیادہ میل ملاپ نہ رکھتیں پھر ان کی زبان عام لوگ بآسانی سمجھ نہ سکتے تھے اگرچہ یہ دونوں خاصی پڑھی لکھی تھیں۔ لیکن ان دونوں کے لب لہجے میں کوئی فرق نہ آیا۔ زبان کے اس فرق کے وجہ سے کئی بار چھوٹے موٹے حادثات بھی رونما ہوئے۔ اس لسانی فرق کے علاوہ فرائیڈ کے ہاں طور طریقے بھی اور تھے۔ جو کوئی پہلی بار ان کے ہاں جاتا وہ اپنے تئیں انجینی محسوس کرتا۔ ان کا گھرا کر چہ دی آ نکا کے ایک عام محلے میں تھا مگر اس کے اندر جا کر ایک نئی دنیا کا احساس ہونے لگتا تھا۔

۳

دی آ نکا پندرہ ہال کافی کھلا تھا۔ شام کے وقت ہال کی کھڑکیاں بند کر دی جاتیں۔ پردے گرا دیئے جاتے اور سارے ہال میں اگر کہیں روشنی ہوتی تو وہ لکھنوار کی میز اور کرسی کے اوپر آویزاں قہقہے سے آتی۔ اس کی تاریکی میں خالی بچوں کی قطاریں دیکھ کر موت کی سی وحشت طاری ہو جاتی۔ اٹکا پڑا ہال اور اس کی گہری تاریکی سے پاس انگیز تاثیر پیدا ہوتا۔ ہر وقت کی شام کو ایک ادھیڑ مر کا آدمی جس کی چھوٹی سی داڑھی، لمبھی جسم اور درمیانہ قد تھا اور جو کوئی پرو فیسر معلوم ہوتا تھا۔ اس نیم تاریک ہال میں لکھنوار پڑتا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ لیکن نگاہ دل کے اندر رکھی جاتی۔ اس کی پیشانی کشادہ تھی۔ اس کی کرسی کے پاس چند اور کرسیاں نصف دائرے کی شکل میں رکھی تھیں۔ جن پر چند لوگ بیٹھے ہوئے۔ وہ اندر داخل ہوتا اور نہایت بے تکلفی سے میز کی طرف بڑھتا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتا۔ "اگر آپ ذرا اور آگے آجائیں تو زیادہ بھر ہوگا۔"

"لکھنوار شروع ہوتا۔ اس کی باتوں میں بہت تاثیر تھی۔ گواہ کی آواز زیادہ بلند نہ تھی اور نہ اس میں کمرنگ تھی۔ یہ لکھنوار دینے والا سمجھنا فرماتا تھا۔ اور یہ چند لوگ وہ مخصوص طبقہ تھا۔ جن کے سامنے وہ بیٹھے میں ایک دن اپنے نظریات بیان کیا کرتا تھا۔ چند برس گزر جانے کے بعد جب فرائڈ کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ اور لوگ اس کا لکھنوار سننے کے خواہش مند ہوئے تو پھر لکھنوار دم بدل لیا گیا اور فرائڈ کی آواز بھی اتنی بلند ہوتی تھی کہ حاضرین اسے غولہ بن سکتے تھے۔ اس طرح بلند آواز میں بولنے سے اسے کافی مشقت کرنا پڑتی۔ جب حاضرین کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو اس میں زیادہ لوگ ایسے آنے لگے جو سائنٹیفک علم حاصل کرنے کی بجائے اعتراضات کرتے اور اپنی طبیعت جتانے کی محض جنس کا نام سن کر شوق چلے آتے۔ اس سے اصل مقصد فوت ہونے لگا اور مجبوراً ان

عالمانہ کچھروں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ جنگ کے بعد کے زمانہ میں وہ شاز و نادر ہی تقریر کیا کرتا۔ ہاں کبھی کبھی اسے تجزیہ نفس کی مجالس میں خطبات دیتے ہوئے۔ اس کی طرز خطابت بے خطا اور لب و لہجہ اتنا صاف ہوتا کہ سامعین کو اس کی تقاریر سمجھنے میں کوئی وقت نہ ہوتی حالانکہ اس کے الفاظ میں اتنا زور نہ ہوتا تھا کہ وہ سننے والوں پر شدت سے اثر انداز ہوں۔ اس نے کبھی غصے یا جوش میں آواز کو بلند نہیں ہونے دیا۔

شروع شروع میں ان ہفتہ وار مجالس کا ماحول بے تکلف اور غیر رسمی ہوتا تھا۔ ان میں باقاعدہ شامل ہونے والے اراکین کی تعداد پہلے پہل چھ سات ہوا کرتی تھی۔ جو پھر زیادہ سے زیادہ چندہ تک پہنچی۔ یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں ایک طبقہ کی صورت بن گئے اور پھر تجزیہ نفس کی پہلی سوسائٹی انھیں سے مرتب ہوئی۔ اس زمانے میں جو مسائل سامنے آتے یا نئے نئے نظریات نشوونما پاتے ان پر ان مجالس میں بحث و تحقیق کی جاتی۔ خواب کی تعبیر لاشعور اور جنسی دباؤ (Repression) نشورس کی ترکیب (Structure of Neurosis) ان مجالس کے محبوب موضوعات تھے۔ اجلاس کے چند گھنٹے اپنی اقداریت کے لحاظ سے بڑے اہم ہوتے کیوں کہ تجزیہ نفس کی ساری نشوونما اور اس کے مصلحتات یہیں زیر بحث آتے۔ اراکین نے ان نظریات کی روشنی میں آرٹ ادب اور سماجی مسائل کی چھان بین شروع کی۔ نشورسز اور خواہوں پر تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

ان مجالس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی۔ کہ فرائڈ کا کہا یہاں حرف آخر نہیں تھا اور نہ وہ اپنے الفاظ کو الہام کی ہی اہمیت دیتا کہ جو کچھ اس نے ذہن میں آیا صحیفہ آسانی ہے۔ بخلاف اس کے بحث کے دوران میں لب و لہجہ نہایت سادہ رہتا اور تقاریر کی بجائے گفتگو کو ترجیح دی جاتی۔ مذاق کی چاشنی گفتگو کو دل پذیر بنادیتی۔ کبھی کبھار طنز بھی کی جاتی۔ فرائڈ کو اپنے نظریات پر اس قدر یقین تھا کہ وہ ان پر غور و فکر اور زور دینا یا نہیں حتمی منوانا پسند نہیں کرتا تھا۔

شروع شروع میں تو تجزیہ نفس کی مجالس میں صرف فرائڈ گفتگو کیا کرتا۔ لیکن بعد میں اراکین باری باری خاص موضوع جن کران پر خامہ فرسائی کرتے پھر آدھ مجلس میں پیش کرتے پھر ان پر بحث کی جاتی۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ملازم شایلات پر اپنا ایک مقالہ پڑھا پھر آدھ بتایا کہ تجزیہ کرنے والا کوئی لفظ کہتا ہے۔ اور جس پر تجزیہ کیا جا رہا ہو۔ وہ اسے سن کر فوراً وہ لفظ بول رہا ہے۔

جو اُس کے ذہن میں خود بخود آ جائے۔ مقالہ نگار نے اس کی مثال یوں دی کہ تجربہ کرنے والا گھوڑا کہتا ہے اور سننے والے کے ذہن میں فوراً "لا بھری" کا لفظ آتا ہے فرانڈ نے اُسے نوکا اور کہا۔ "اگر میں قلعی پر نہیں ہوں تو آپ کی فوجی رسالہ میں افسر رہے ہیں اور آپ نے گھوڑوں کی نفسیات پر کتاب بھی لکھی ہے۔" مقالہ نگار نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر فرانڈ بولا۔ "جب تو واقعی آپ نے ان جانے طور پر ملازم خیالات کا قلعی ثبوت دیا ہے۔ آپ نے جو مثال دی ہے۔ اس سے آپ اور آپ کی دلچسپی کا حال حاضرین پر واضح ہو گیا۔"

فرانڈ اس بات کا بڑی سختی سے قائل تھا کہ ہر بات کی تک پہنچنا چاہیے لاشعور کی تحقیقات کے سلسلے میں وہ اکثر اپنے "شاگردوں" سے کہا کرتا کہ وہ عقیدے جنہیں ہم سمجھتے ہیں کہ لاشعور کے رد عمل کا باعث ہیں ان سے بے ساری مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کوئی اور اسباب ہوں اس سلسلے میں اُس نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ۔ "کئی برس کی بات ہے کہ ایک بوڑھا معلم طب مر گیا۔ اس کی وصیت تھی کہ اُس کی لاش پر عمل جراحی کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ قفس کی چیر پھاڑ کا کام ایک مشہور اور تجربہ کار ڈاکٹر کے سپرد کیا گیا جس کے ساتھ میں بطور معاون کام کر رہا تھا۔ چیر پھاڑ کے دوران میں اُس ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔ دیکھا یہ شریا میں کتنی سخت اور موٹی ہیں۔ بالکل رسی معلوم ہوتی ہیں۔ ہلکا ان کے ہوتے ہوئے انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ کا ارشاد درست ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہیں شریا توں کے ہوتے ہوئے یہ شخص برسوں زندہ رہا اور کل تک بھی نہیں کام کر رہی تھیں۔"

احصائی امراض کی تحقیقات بہت پیچیدہ اور مشکل کام ہے۔ ایک بار اس پر بحث ہو رہی تھی کہ فرانڈ نے ایک باتصویر کارڈ نکالا جس پر ایک گھوڑا کی تصویر تھی جو ایک کمرے میں کھڑا چوکھٹیں مار کر بجلی کا قلعہ بجا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ۔ "اگر آپ لوگ بیماری کی علت کو براہ راست پکڑنا چاہتے ہیں تو آپ بالکس اس گھوڑا کا سامل کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ آپ جو بچ (Switch) کو تلاش کریں جس سے بجلی کو بند کیا جاسکتا ہے۔"

فرانڈ یوں اس سلسلے میں اپنے علم کی روشنی سے دوسروں کے سینوں کو منور کیا کرتا تھا۔ جن استادوں سے اُس نے کسب کمال کیا تھا۔ اُن کا ذکر بھی وہ کیا کرتا۔ جب کبھی وہ تجربہ نفس کی تحریک

کا ذکر کرتا تو وہ اُن تمام منازل کو بیان کرتا جن سے وہ ہو کر گزرا تھا۔ اس تحریک کی تکفیل میں شاد کوٹلے کے نظریات کا بھی حصہ تھا۔ چنانچہ وہ اس کا نام نہایت ادب اور عزت سے لیا کرتا۔ شاد کو کی عظمت اس سے عیاں ہوتی تھی کہ اُس نے فرانز کو اُس وقت جب کہ وہ محض ایک بچہ ہی تھا اپنے حلقے میں داخل کر لیا۔ بحث و تحقیق کے دوران میں جب کوئی شخص کسی تجربے کو اس لیے رد کرتا چاہتا کہ اُس بارے میں کسی بڑے آدمی کا فیصلہ اس کے خلاف تھا تو وہ اپنے استاد شاد کو کا مقلوبہ بیان کیا کرتا کہ: "اس سے تجربے کے وجود کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا۔"

فرانز کی زندگی میں کوئی ایسے غیر معمولی اور روحانی واقعات نہیں ہیں۔ جن کے ذکر سے اس کی زندگی کے بیان کو رنگین کیا جاسکے اُس نے ساری عمر تحقیق و تفتیش میں گزار دی تھی۔ دنیا کی رنگینوں کو دیکھنے یا ان سے لطف اندوز ہونے کا اُسے موقع نہیں ملا۔ اس نے غریب رہنے والوں نے کبھی کبھی اُس سے کوئی ایک آدمی واقف کر لیا یا اُس نے خود اپنے مختصر سے حالات اپنی "خود نوشتہ سوانح حیات" میں لکھے ہیں۔ شاد کو کے ہاں تحقیقات کے سلسلے میں وہ برس گیا تھا۔ ایک سال کے موسم بہار کی یاد اُسے کبھی کبھی آتا کرتی۔ اس کا کہنا ہے۔ "مجھے اب تک وہ دن یاد ہے جب بہار کے موسم میں نوجوان مرد اور عورتوں کا ایک گروہ میرے سامنے سے گزرا۔ میں ایک سیرگاہ میں بیٹھا تھا۔ یہ لوگ چلتے چلتے رک جاتے اور سب کے قدم خود بخود رقص کرنے لگتے۔ اس کا سبب محض اُن کا شباب اور موسم بہار۔" فرانز کے طالب علمی کے زمانے میں ہر سال بہار آتی اور گزر جاتی مگر وہ حقائق کے تلاش میں اتنا سرگرم رہتا کہ اُس سے کبھی بہار کا لطف اٹھانے کا موقع ہی نہ میسر آتا۔

المائوی فلاسفر شوپن ہار کا کہنا ہے کہ "غیر معمولی باتیں عام الفاظ میں کہو۔" فرانز کا بھی یہی دستور تھا۔ وہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے ادنیٰ مسائل سمجھا دیا کرتا۔ اُس کے الفاظ معمولی ہوتے جن میں آتش بیانی اور شعلہ نوائی نام کو نہ ہوتی۔ وہ عام الفاظ میں حقائق بیان کر کے ہر مسئلے کے بنیادی اصولوں کو پوری طرح چھان چھانک کرتا خواہ وہ مسلمات ہی کیوں نہ ہوں۔ اپنے نتائج بیان کرنے میں وہ بہت احتیاط سے کام لیتا۔ اُس نے ہمیشہ ہر نظریہ پختہ بنایا دوس پر استوار کیا۔ وہ دوسرا قدم اُس وقت تک نہ اٹھاتا جب تک پہلے قدم کی راہ میں سے رکاوٹیں صاف نہ ہو جاتیں۔ ایک بات پر جس قدر اعتراضات وارد ہو سکتے تھے خود انہیں اٹھاتا اور اُن کے جواب دے کر

دوسری بات کہتا۔ جب وہ ایک انجی کوئی بات غیر موقع سامنے لاتا تو سننے والا یہی سمجھتا کہ اس کا آنا لازمی تھا۔ اور جب کوئی دلیل اور دوسری چھوڑنا پڑتی تو وہ سامعین کو بتا دیتا اور پھر جب اس کا موقع محل آتا تو اسے چہرا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے سننے والے مشکل ترین مسائل کو بھی اچھی طرح سمجھ جاتے اور انہیں معلوم بھی نہ ہوتا کہ وہ ایک نئی اور دقیق سائنس کی تحقیقات میں حصہ لے رہے ہیں اور کسی چٹنی ورزش کے بغیر نتائج پر جا پہنچتے۔ اُن میں سے اکثر نظریات ایسے بھی ہوتے جن کے متعلق اُن کے پہلے خیالات اور تاثرات انہیں دل و جان سے عزیز ہوتے تھے۔

وی آ نکا میں فرانز نے عمر کا کافی حصہ ایک مکان میں گزارا۔ جس بازار میں یہ مکان واقع تھا وہ ناہموار ہونے کے علاوہ متضاد دنیاؤں کا مجموعہ تھا بازار کے ایک طرف کباڑیوں کی دکانیں تھیں اور دوسری طرف گاتھک فن تعمیر کا نمونہ وہ گر چا جو وی آ نکا میں سب سے خوب صورت تھا اسی وجہ سے یہ چوک وی آ نکا کا خوب صورت ترین مقام تھا۔ پاس ہی یو یورسٹی اور دوسری سرکاری عمارتیں ایستادہ تھیں۔ بازار کے دونوں سروں کے مابین کہیں شیب تھا اور کہیں فرانز۔ فرانز کے مکان کا نمبر 19 تھا اور یہ نہایت ناہموار جگہ پر واقع تھا اور کپاڑا منڈی سے نزدیک بھی تھا۔ ویسے ارد گرد کے علاقے میں کافی شریف لوگ بستے تھے۔ پہلے پہل فرانز کا دفتر بجلی منزل میں تھا اور اس کی رہائش دوسری منزل میں۔ لیکن بعد میں دفتر اور رہائش کا انتظام دوسری منزل میں ہی کر لیا گیا۔ دونوں میں اندر سے آنے جانے کا راستہ تھا لیکن بیرونی دروازے متضاد سمتوں میں کھلتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ ملاقاتی ایک دروازہ کی گھنٹی بجاتا اور جواب میں دوسری جانب کا دروازہ کھلتا۔ اسی مکان میں پہلے لڈکھڑکھڑا لڑ رہا کرتا تھا جو آسٹریا کی شوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا بانی تھا اور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد قحطی سے مرے گئے لائیکسٹری آف ٹیٹ رہا۔ اُس کے بچے کی پرورش گاہ (Nursery) والا کمرہ فرانز کے مطالعہ کا کمرہ تھا۔ یہ بچہ پہلی جنگ عظیم کی ایک مشہور شخصیت تھی۔ اُس نے آسٹریا کے وزیر اعظم کونٹ (Sturgkh) کو قتل کیا۔ جس پر اُسے چھانسی کی سزا دی گئی لیکن بعد میں اُسے عرقید سے بدل دیا گیا اور صلح ہو جانے کے بعد اُسے آزاد کر دیا گیا تھا۔

فرانز کے دفتر میں سب سے پہلے ایک چھوٹا سا تاریک چٹیں کمرہ تھا اور اس کے ساتھ تین بڑے کمرے ویٹنگ روم مشورے کا کمرہ اور اس کے پیچھے لائبریری ہر ایک کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی جو گھر کے صحن میں کھلی صحن کے وسط میں ایک خوب صورت اور بلند درخت آگ رہا تھا۔

ان کمروں میں روشنی یا دھوپ زیادہ نہیں آتی تھی۔ ان کی آرائش بھی متوسط طبقے کے پرانے مذاق کے مطابق کی گئی تھی۔ جس میں جدت کا عنصر مفقود تھا۔ لائبریری میں جاتے ہی ایک رعب چھا جاتا و پوراوں کی جگہ الماریاں تھیں جو کتابوں سے بھری تھیں۔ شیشے کے کیس جسے جن میں فرائڈ نے تاورات جمع کر رکھے تھے۔

تجزیہ نفس کی مجلس کا کام چونکہ بڑھ گیا تھا۔ فرائڈ نے یہ کام اپنے ایک رفیق ڈاکٹر الفرائڈلر کے سپرد کر دیا۔ وہ اس مجلس کا صدر تھا۔ فرائڈ اور ایڈلر اپنی تحقیقات میں مصروف رہے اور تجزیہ نفس میں بہت سی نئی باتوں کا اضافہ ہوتا گیا لیکن آخر کار ایڈلر اور فرائڈ میں اختلاف رونما ہو گیا۔ چنانچہ تجزیہ نفس کی مجلس میں کھلے طور پر یہ اختلاف پیش کئے جاتے اور ان پر خوب گرم بحث ہوا کرتی۔ فرائڈ ان بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور اپنے مخالفین کو آڑے ہاتھوں لینے سے بھی گریز نہ کرتا۔ ان بحثوں میں اس نے بارہا سخت الفاظ اور جست فقرے بھی کہے مگر کبھی علمی بحث کو ذاتیات کی سطح پر نہ اترنے دیا۔ پھر عموماً ایسے تنازعہ فیہ مسائل میں اصولوں کی جگہ فروعات لے لیتے ہیں۔ لیکن فرائڈ کبھی اصول سے نہیں ہٹتا تھا۔ فرائڈ اور ایڈلر کے اختلافات ”بچے میں جنس کی موجودگی“ و ہاء (Repression) اور لاشعور کے مسائل میں تھے۔ ایڈلر کا ان اہم مسائل سے انکار تجزیہ نفس کے بنیادی اصولوں سے انکار تھا اور اس لئے ایڈلر کو اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ تجزیہ نفس کی تحریک میں یہ اختلاف بڑی آرائش کا وقت تھا۔ کئی لوگ تجزیہ نفس کے صلے سے کٹ کر ایڈلر سے جا ملے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو محض اس لئے فرائڈ سے علیحدہ ہو گئے۔ کہ ان کے خیال میں جس طریق سے اس بحث کا اہتمام ہوا تھا وہ ”سائنس کی آزادی“ ایک کاری ضرب تھا۔ گویا یوں انہوں نے فرائڈ کی سطح کھائی اور سخت گیری کے خلاف احتجاج کیا۔ اب اس تحریک میں وہ گروہ بن گئے ایک فرائڈ کے پیرو اور دوسرے ایڈلر کے ساتھی۔ اس نئے گروہ نے اپنا نام (سوسائٹی فار فری سائیکالوجی اےسوسی ایشن) آزاد تجزیہ نفس کی اجماع لیکن یہ نام بعد میں ترک کر دیا گیا اور اس کی بجائے ”انفرادی نفسیات“ (Individual Psychology) کا نام تجویز کیا گیا۔

اس اختلاف میں ”سائنس کی آزادی“ کا نعرو بلند کیا گیا تھا۔ فرائڈ اور اس کے پیروؤں کے نزدیک بھی یہ آزادی سلسلہ حقی لیکن ان کا کہنا تھا کہ سائنس دان تحقیقات یا بحث کر رہے ہوں تو یہ اسی صورت میں بار آور ہو سکتی ہے۔ جب وہ بنیادی اصولوں پر متفق ہوں۔ زیر تحقیق مسئلہ بتنا

اہم ہوگا اسی قدر تصورات کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا اور اس میں مکمل ہم آہنگی کی زیادہ ضرورت ہو گی۔ سائنس کے نظریات کو جب مسلمات کا درجہ دے دیا جائے تب بھی اُن کی مزید تحقیقات اور چھان بین ہونی چاہیے لیکن آزادی اس کا نام نہیں کہ ایک جماعت کسی سائنس میں اپنے نظریات کی تشکیل کرتے کرتے اپنا اپنی پھر نئے سرے سے کام شروع کر دے اور پہلے تجربات کے نتائج کو سرے سے محل نظر قرار دے دے۔ چاہیے تو یہ کہ وہ آگے بڑھیں یہ نہیں کہ اور پیچھے ہٹ جائیں۔ چنانچہ جب کبھی ایسے حالات رونما ہوں اور وہ خاص نکت جس پر اُن کا اشتراک ہوا تھا قابل قبول نہ رہے تو اس کے بہترین علاج یہی ہے کہ وہ لوگ جدا ہو جائیں۔ اگر وہ خود بخود الگ نہ ہوئے تو جو لوگ اپنی تحقیقات کو آگے لے جانا چاہتے ہیں اور جن کا کام خواہ مخواہ کی رکاوٹوں سے التوا میں پڑ رہا ہے۔ مجبوراً انہیں الگ کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ یہ نہ تو خیالات کی آزادی میں کوئی مداخلت بجا ہے اور نہ اسے صداقت کی تحقیقات میں کسی قسم کی رکاوٹ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ”علم کے درخت“ سے ثمر حاصل کرنے کے خواہاں اگر اس بات پر متعلق نہ ہو سکیں کہ درخت ہے کہاں تو اُن کے اکٹھا ہونے کا فائدہ۔ لطف یہ ہے کہ جب آزادی کے ان دعویداروں نے اپنا نیا دہستان قائم کر لیا تو اُن کا اصول بھی یہی تھا کہ وہی لوگ شامل ہوں جو اُن کے ہم نوا تھے۔ اختلاف رائے لوگوں کو وہاں بھی جگہ نہ دی گئی۔ حالانکہ اسی اصول کی خاطر وہ خود طعید ہوئے تھے۔

فرائڈ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ایک بات نظر آتی ہے کہ عہدے سنبھالنا اپنی لیڈری قائم کرنا اور نمایاں پوزیشن پر سامنے آنا اُس کی میلان طبع کے خلاف تھا۔ وہ لوگوں کو دل سے پسند کرتا تھا جو محض تجربہ نفس کی خاطر اس کے گرد جمع ہوتے اس کے خیالات کو اپناتے اور ان میں حصہ لیتے جو لوگ اندھی تقلید کے قائل تھے اور محض اس کی شخصیت سے متاثر ہوتے وہ انہیں پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے ایڈلر کو سوسائٹی کی صدارت سونپ دی۔ یہ ایک غلطی تھی اور ایڈلر کے بعد اُس کا عادیہ کیا گیا اور ڈیگ کو اس بین الاقوامی مجلس کا دوسرا صدر بنادیا گیا۔

فرائڈ کا کمال یہ تھا کہ وہ ذرا سی بھول زبان کی لغزش الفاظ کے تلفظ سے ساری ”اُن ہوتی“ باتیں جان جایا کرتا تھا۔ وہ شخص خود نہ جان سکتا تھا جس کے ذہن میں وہ ساری باتیں مدفون ہوتیں۔ لیکن ایڈلر اور ڈیگ کے انتخاب میں اُس نے دوبارہ اتنی بڑی غلطی کھائی۔ وہ شخص جس کے سامنے ذہن کے غلط دروازے خود بخود مکمل جاتے تھے اپنے متعلق اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ

”زہن پڑھنے والا“ نہیں ہے۔ اُس کی شخصیت کا یہ پہلو واقعی دلچسپ ہے۔ فرائنڈ معمولی سی علامت سے کسی کی ذات اور پوشیدہ حقیقت کو اچھی طرح جان لیتا تھا اور اُس سے اُس شخص کی شخصیت کو بلند یوں پر لے جاتا اور وہاں سے اُس کا مطالعہ کرتا۔ یہ وہ مقام ہوتا جہاں ایک عام ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ اُسے ذہن میں جذبات کی سرگرمی قوتِ عقل اور بلند دہالا مقاصد نظر آتے۔ حالانکہ اُس ذہن میں صرف اُن کا شاہد ہی ہوا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے دو بار غلطی کھائی۔ وہ اربابِ کو قوتوں کی جانتا تھا وہ اُن کو اُسی رنگ میں دیکھتا جو اُن کا فطری مقام ہونا چاہیے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

ان اختلافات اور علیحدگیوں کے بعد فرائنڈ نے اپنا حلقہ بہت محدود کر دیا جب اُس نے دیکھا کہ تجزیہ نفس کی تحریک میں شامل ہونے والوں میں حسد رقابت، شک و شبہ اور مہدوں کی خواہش موجود ہے تو شک آ کر اُس نے حلقہ اور محدود کر دیا۔ اب صرف دو شاگرد رہ گئے۔ جو اُس کے کام میں مدد دیتے۔ ان میں سے ایک ہنس ساخس (Hans Sachs) تھا اور دوسرا آئور رینک (Otts Rank)۔ ہنس آف رینک فرائنڈ سے وفادار رہا لیکن رینک نے بھی بعد میں علیحدگی اختیار کر لی۔ اُس نے اپنا ایک نیا نظریہ قائم کیا تھا۔ جب تک وہ فرائنڈ کے ساتھ رہا۔ اُس نے کافی بڑا کام کیا۔ تجزیہ نفس کے رسائل کی ترتیب میں یہ دونوں شامل رہے۔ پھر ان دونوں نے مل کر تجزیہ نفس کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے ہوئے ایک کتاب بھی شائع کی جس میں نئی نئی باتیں بیان کی گئی تھیں۔ رینک پر فرائنڈ کو بہت زیادہ اعتماد تھا لیکن اُس نے یکا یک ایک ایسا نظریہ پیش کر دیا۔ جس نے اُس کی زندگی بھر کے کام پر پانی پھر دیا۔ فرائنڈ کو اپنے اس معتقد کو بھی جدا کرنا پڑا۔ رینک اس محدود حلقے کا بیکر فری تھا اور سارے کاروبار کا کرتا دھرتا۔

فرائنڈ زیادہ چلنے پھرنے سے تھکتا نہیں تھا۔ تجزیہ نفس کی سوسائٹی کی مجالس کے بعد معمولاً وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ پیدل چل کر خاموش گلیوں کے پتھر کا قانا گھر پہنچتا۔ اس دوران میں وہ باتیں زیر بحث آتیں جن پر مجلس میں پوری طرح بحث نہ ہو سکی تھی۔ کئی باتوں پر دوبارہ غور کیا جاتا۔ وہ اکثر اسی سیر کے دوران میں اپنے نئے نظریات، تائادات خیالات کا ذکر کرتا۔ ان میں سے بہت سی باتیں تو اُس نے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دی ہیں لیکن کئی باتیں ایسی تھیں جنہیں اُس نے بعد میں رد کر دیا کیوں کہ مزید چھان بینک میں وہ معیار پر پوری نہ اتر سکیں۔ جب وہ کوئی نئی بات دریافت

کرنا تو اُس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں نئے نئے سوالات پیدا ہوتے۔ وہ مہر مہر مضطر پانتا گئے
بڑھتا رہا۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا۔ جب وہ ایک مقام پر آ کر رک گیا ہو اور
اُس کے خیالات میں سکون آ گیا ہو۔ اطمینان بالذات کا عنصر تو اُس کی فطرت ہی میں نہیں تھا۔

خواب کی تعبیر پر اُس نے بہت زور دیا ہے۔ کیوں کہ انسان کے لاشعور کو سمجھنے کے لئے
بہکا سب سے اہم چیز ہے۔ چنانچہ وہ تجزیہ کار کی پالغ نظری کا اندازہ اُس کے خواب کی تعبیر
کرنے سے لگایا کرتا تھا۔ وہ تجزیہ نفس کی تحقیقات کے دروان میں خواب کی تعبیر کو پس منظر میں
رکھنے کی تلقین کرتا۔

شام کی یہ سیریں اُس کے ساتھیوں کے لئے نعت تھیں۔ انہیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی
رہیں جو اُس کی تحریروں میں بھی نہیں تھیں۔ اس کا یہ "محدود اندرونی حلقہ" اس کے ارشادات
تحقیقات اور تجربات سے براہ راست متاثر ہوا۔ یہی لوگ تجزیہ نفس کی عمارت کے ستون تھے۔

۴

فرائذ کی زندگی کا تانا بانا تجزیہ نفس کے تاروں سے بنا گیا تھا۔ جب ہم اُس کی زندگی کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ طب کی مختلف شاخوں میں اُس نے کاروائی کیا ہے۔ نئی نئی معلومات، بیم پہنچائیں ہیں لیکن یہ سب کچھ محض تجزیہ نفس کے ارتقاء کی کڑیاں تھیں۔ تجزیہ نفس ہی فرائذ کی زندگی کا اصل محور تھا اور وہ اُس کے گرد گھومنا کیا۔ قلب نما کی سوئی قرقراتی ضرور ہے لیکن اُس کا رخ ہمیشہ قلب کی طرف رہتا ہے۔ فرائذ ہمیشہ ایک مقولہ دہرایا کرتا کہ ”انسان اُسی وقت بلند ہوتا ہے جب وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔“ یہ حقیقت خود اُس پر ابھی طرح صادق آتی ہے۔

اُس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جب وہ کسی نئے نظریے کی دریافت پر کمر بستہ ہوتا تو اپنے مطالعہ کو اور بھی وسیع کر دیا کرتا۔ اپنی کتاب ”خواب کی تعبیر“ کے سلسلے میں اُس نے نفسیات اور فلسفہ کے نئے اور پرانے مصنفین کا نہایت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جس کا ذکر اُس کی اس کتاب میں موجود ہے۔ جب اُس نے مزاح اور لاشعور کے تعلق (Wit and its Relation to Unconscious) پر قلم اُٹھایا تو بحالیات اور فلسفیانہ مضامین پر کتابوں کے ڈھیر اُس کے سامنے رکھے رہتے تھے۔ اُس نے دنیا کے مشہور مزاح نگاروں کی تحریروں پر پڑھ ڈالیں اُن سے مواد اکٹھا کیا اور پھر اپنے نظریے کو مکمل صورت دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ”توتیم اور تیبو“ (Totem and Taboo) پر لکھنے کے لئے اُس نے دنیا بھر کے ماہرین انسانیات کی کاوشوں کو کھنگالنا۔ ”اصول لذت کے پرے“ (Beyond the Pleasure Principle) ایک ایسا نظریہ تھا جسے ثابت کرنے کے لئے اُسے حیاتیات کی مدد لینا پڑی اور اُس نے اس سائنس میں جس قدر نئی حقیقتات ہوئی تھیں اُن سے فائدہ اُٹھایا اور ”مردہ کی نفسیات“ میں دو مہرانیات کے دائرہ میں پہنچا۔

یہ سارے موضوعات جن کا ذکر ابھی ہم نے کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری دلچسپیاں جو اس نے محض تفریحی طور پر شروع کی تھیں ان کا انجام بھی تجزیہ نفس کے کسی گہرے مسئلے پر ہوا۔ اس ایک کی مثال سنئے۔ فرانسہ کبھی تھیزو دیکھتے نہیں جاتا تھا۔ لیکن جب مشہور یونانی ڈرامہ نگار سوفوکلز کا ڈرامہ ”بادشاہ ایڈیپس“ دیکھا تو وہ بھی دیکھنے گیا۔ دوسرے دن اس کے اندر ایک نیا دلول اور جوش نظر آتا تھا۔ اس کا باعث اداکاری تھی اور نہ ہدایت کاری کہ وہ ان سے متاثر ہوا ہو بلکہ اس گرم جوش کا سبب ایک مہتر تھا جس کا انکشاف اس پر ڈرامہ دیکھتے وقت ہوا حالانکہ اس سے قبل بھی اس نے یہ ڈرامہ پڑھا تھا۔ یہ مہتر ایک خاص نفسیاتی کیفیت سے تعلق رکھتا تھا۔ دینی ہوئی خواہشات ہمیشہ ذہن کی شعوری سطح پر واپس آتی ہیں لیکن ایسا روپ بدل کر کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔ کھیل کے بیرو کو دارالاستقرار سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرے گا تو وہ پریشان ہو گیا۔

لیکن جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اس کا نامور باپ فطری موت مر گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کا حقیقی باپ نہیں مرا بلکہ وہ بادشاہ مر گیا جس نے اسے لے کر پالا تھا اور جسے ایڈیپس اپنا باپ خیال کرتا تھا تو اس کے ذہن سے پشیمانی کا بوجھ اتر جاتا ہے اور اس کا نتیجہ ایک ایسا رد عمل ہوتا ہے جس میں فتح اور شادمانی ہے اور اس پر ایڈیپس اپنے باپ کی موت پر غمی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی نفسیاتی حقیقت تھی جس کا اظہار مصنف نے لاشعوری طور پر کر دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فرانسہ کے ذہن پر ایک مستبدانہ خیال حاوی تھا جو اپنے نظریات کی تائید میں ثبوت تلاش کرتا رہتا۔ وہ خود بھی اس خیال سے آگاہ تھا اور اسے ہر بڑے سے بڑے نظریہ کے معرض وجود میں لانے کے لئے ضروری خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق وہ کہتا ہے۔

”جب میں جنرل ہسپتال میں کام کرتا تھا تو میرے ساتھیوں میں میرا ایک دوست دن رات اس دھن میں لگا رہتا کہ آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں وہ کوئی نئی دریافت کرے۔ جب بھی ہم لوگ کوئی نئی بات یا طبی مسئلہ پر بحث لاتے۔ اس کے خیالات فوراً آنکھوں کے بیماریوں کی طرف جاتے اور وہ اسی کے بارے میں سوالات شروع کر دیتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے وہ ساتھیوں پر ایک بوجھ بننے لگا۔ ایک دن میں ہسپتال کے مہن میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑا

تھا اور ہمارا شیطانی دوست بھی وہیں موجود کہ ہمارا ایک اور ساتھی اُدھر سے گزرا اور اُس نے اشارے سے بتایا کہ وہ ناقابلِ برداشت درد میں مبتلا ہے۔ میں فوراً اُسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ میں نے ایک دوائی کے چند قطرے درد والی جگہ پر لگائے اور درد آنا قانا جاتا رہا۔ میں نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ یہ دوائی جنوبی امریکہ کے ایک درخت کوکا (Coca) کا جوہر تھا اور اس میں ایسی تاثیر تھی کہ اس کے لگانے سے درد فوراً رفع ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتایا کہ میں اس پر ایک تحقیقاتی مقالہ لکھ رہا ہوں۔ ہمارا شیطانی دوست یہ باتیں سننا بہادر کچھ نہ بولا۔ اس کا نام کولر (Koller) تھا۔ چند مہینے بعد میں نے سنا کہ اُس نے کوکین کے استعمال سے آنکھ کی جراحی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپریشن جو کبھی ناممکنات میں سے تھا۔ اب آسانی سے کیا جانے لگا۔ کسی نئی ایجاد یا دریافت کے معلوم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کی ساری توجہ ایک ہی بات پر مرکوز ہے۔“

فرائڈ زندگی بھر اسی اصول پر کار بند رہا۔ اس سے اُس کے سامنے زمین اور آسمان کی وسعتیں کھل گئیں۔ اُس نے ایک نئی کائنات پائی۔ فرائڈ نے جو اصول بیان کیا وہ اس پر کار بند رہا۔ اُس کی زندگی کا سرسری مطالعہ شاید اس میں جذبات کا فقدان ظاہر کرے۔ کیوں کہ وہ بڑے بڑے الفاظ میں جذباتی احداثات نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایک مدہم سی نو ہے جو مسلسل جلتی رہتی ہے۔ ہر اصول کی پابندی چند سخت قیود لگا دیتی ہے۔ یہی حال فرائڈ کے اصولوں کا تھا جنہیں خود فرائڈ نے برضا اور رغبت اپنے اوپر مسلط کر رکھا تھا جو لوگ اس کے بارگاہ تھے وہ ان اصولوں پر پوری طرح کار بند رہتے۔ اُس کے دوستوں نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیا۔ جو فرائڈ نے اپنے لئے تیار کر رکھا تھا۔

فرائڈ کی ذاتی کامیابی کا ایک اور ثبوت اُس کی گمریلہ زندگی ہے۔ اُس کے خاندان کے افراد۔۔۔۔۔ اس کی بیوی، سہیلی اور بچے سب کے سب اُس کے محدود جھلنے میں شامل ہو گئے۔ شروع شروع میں فرائڈ کا کاروبار خوب چمکا لیکن اُس نے اپنا سارا کاروبار تجزیہ نفس کی قربان گاہ پر چڑھا دیا۔ اس کے خاندان کا سارا انحصار اُس کی امدادی پر تھا۔ جوں جوں اُس کا کتبہ بڑھتا گیا (دس برس میں چھ بچے پیدا ہوئے تین لڑکے اور تین لڑکیاں) اُس کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ جس سے اُن کا مستقبل بہت کم بڑا امید رہ گیا۔ وہ لوگ جو فرائڈ کے خاندان کو جانتے تھے۔ فرائڈ کی بیوی کی قسمت

پر افسوس کیا کرتے کہ اس کا خاندان ایک کامیاب ڈاکٹر تھا اس کا اچھا چھاکارو بارتھائیکس ایک ایسی جگہ اُسے کیا ہو گیا۔ ترقی کر کے طب میں نام پیدا کرنے کی بجائے وہ اُن کے راستے پر چل نکلا ہے۔ فرائڈ پر اس کی بیوی کا احاطہ کبھی متزلزل نہیں ہوا۔ ابھی فرائڈ کی تصانیف شائع نہیں ہوئی تھی کہ اس کی بیوی اُسے ایک بہت بڑا انسان جانتی تھی۔ یہ ایک بڑی شہادت ہے۔ ہاں کے اس ظلم میں بچے بھی شامل تھے۔ جب بھی وہ اپنے باپ کا نام لیتے یا اس کا ذکر کرتے تو ان کے لب و لہجہ میں ایک احترام پایا جاتا۔ فرائڈ اور اس کی بیوی کے دوست اکثر بچوں کے اس باب و لہجہ کا مذاق اڑایا کرتے۔ ایک بار ایک بچہ تھوڑے عرصے کے لئے کہیں باہر رہا۔ جب وہ واپس گھر آیا اور اپنے بھائی سے ملا تو اس نے سب سے پہلے باپ کا ذکر کیا "ابا اب نیلی بیوی کی بجائے سبز بیوی میں چائے پیتے ہیں۔" فرائڈ کی زندگی کا گھر اس کا کام تھا اور سارے خاندان کی زندگی کا گھر فرائڈ کی ذات۔

ہر بڑے انسان کی بڑائی میں اس کی بیوی کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ یہی مسئلہ یہاں بھی ٹھہر آتا ہے۔ فرائڈ کی بیوی مارٹھا ایک اطاعت گزار اور وفا شعار بیوی تھی۔ گھر کی صفائی اور تربیت کا بڑا خیال رکھتی۔ کیا محال جو اس میں ذرا بھر فرق آنے پائے۔ اس کے ساتھ ایک اور صفت ایسی تھی جو ایسی بہت کم عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ گھر کے نوکر چاہے اس سے بہت خوش تھے۔ اس کے ہاں جو بھی نوکر آتا برسوں تک رہتا۔ اُن کی ایک خادمہ امریکہ سے اس کی بڑی لڑکی کی شادی میں شمولیت کرنے آئی۔ بڑے دنوں میں وہ اپنے سارے نوکروں اور اُن کے لواحقین کو باقاعدہ تحائف بھیجا کرتی۔

یہ گھر فرائڈ اور اس کی بہن جینا کشیدہ کاری کے فن میں مشہور تھیں۔ وہ دھماکے کے ذریعے اعجاز پیدا کرتیں۔ اُن کا کام اُن کے حلقے میں کافی شہرت پائی گیا تھا جنگ کے دوران میں جب سگار کی قلت ہو گئی۔ ان دونوں خواتین نے اپنا بہت سا کشیدہ کاری کا کام اس تباہ کن فوجی خانہ کے اندر کر دیا جس سے فرائڈ سگار خریدتا تھا۔ تاکہ وہ اسے راشن سے زائد سگار دیا کرے۔

فرائڈ اپنے کنبے کا اگرچہ سردار تھا لیکن وہ اس کا ایک حصہ بھی تھا۔ وہ اُن سے الگ تھلک نہیں رہا کرتا تھا۔ اگرچہ اس کی زندگی کا مقصد وحید اپنا کام اور تحقیقات بن چکا تھا لیکن اس کے دل کا ایک حصہ بتا رہا۔ گھر کا باجول بہت بر سکون اور دوستانہ تھا۔ نیچے اُسے اپنا

(Deer Papa) کہہ کر نکارتے۔ خواتین سگی (سگنڈے کا مختلف) کھیتیں اور دوستوں اور شاگردوں میں پروفیسر کے نام سے یاد کیا جاتا۔ حالانکہ فرانڈ کبھی پروفیسر نہیں بنا۔ یہ قصہ بھی قابل ذکر ہے۔ اس کا بیان اُس نے خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں کیا ہے۔

فرانڈ نے شروع شروع میں اعصابی بیماریوں کے سلسلے میں نئی تحقیقات کی تھیں اُن کے پیش نظر یونیورسٹی اور کی سفارش اور وزیر تعلیم کی منظوری سے اُسے یہ مقام حاصل ہو گیا کہ وہ یونیورسٹی میں لکچر دے سکتا تھا۔ یہ عزت یونیورسٹی فیکلٹی کے ممبروں اور پروفیسروں کو ہی ہو سکتی تھی۔ فرانڈ کے لئے ایک عزت افزائی فیروزہ تھی۔ کیوں کہ ایک تو اُس کی سفارش کوئی نہیں تھی دوسرے وہ یہودی تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُسے یہ عزت مل گئی۔ یہ عزت کیسی ملی۔ اس کا قصہ کافی دلچسپ ہے۔

آئریشا کا وزیر تعلیم جس کا نام ہارڈن تھا۔ ایک دن وی آئنا کے ایک امیر گھرانے کے ہاں بدعہ تھا۔ گھری مالک نے جو فرانڈ کے زیرِ ملاحظہ تھی اُس کی عزت افزائی کی خاطر اُسے اپنے ہاں کی تصویروں کی گیلری دکھائی شروع کی۔ وزیر تعلیم کو سوز لینڈ کے مصوٰر آرملڈ ہوائیکن کی ایک تصویر پسند آئی۔ اس زمانے میں یہ مصوٰر بہت مشہور تھا۔ وزیر تعلیم کے زیرِ اہتمام حکومت کی طرف سے بھی ایک آرٹ گیلری تیار کی جا رہی تھی۔ ہوائیکن کی تصویر کے بغیر یہ گیلری مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وزیر تعلیم نے اس تصویر کو مانگ لیا۔ مالک نے مذاق میں جواب دیا کہ اگر فرانڈ کو "پروفیسر" کا اعزاز بخشا جائے تو وہ تصویر دینے کو تیار ہے۔ چنانچہ یہ سودا چکا ہو گیا۔

اس نئے اعزاز سے فرانڈ کے علمی سرے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ صرف ایک اعزاز تھا۔ اُسے نئی فیکلٹی کے حقوق ملے اور شدہ اُس کا ممبر بن گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب فرانڈ کا نام چارواک عالم میں پھیل کر شہرت حاصل کر چکا تو حکومت نے نہایت اذیت پہنچنے سے اُس کو "پروفیسر" کا خطاب دیا۔ جس کی حیثیت اعزازی تھی اُس وقت اُس کی عمر ستر برس کی تھی اور وہ اپنی تحقیقات میں اس قدر مصروف تھا کہ اُس نے اس جانب توجہ ہی نہ کی۔ یہ کتنی بڑی ختم طریقہ ہے کہ وہ بکتائے روزگار محقق جس نے ایک نئے سائنس کی بنیاد رکھی اور جو ساری دنیا کا استاد تھا "اپنے وطن میں" "پروفیسر" کے پورے حقوق بھی حاصل نہ ہو سکے۔

فرانڈ نے اپنے تئیں تدریسی مصروفیات سے الگ رکھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس طرح اس

کا وقت فضول بحثوں اور غیر ضروری مصروفیات میں ضائع ہو گا۔ اُس نے جس مقصد کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی وہ اور سنا اور پوچھو سنی کی مجالس میں جو کاروبار ہوتا تھا بالکل اور نوعیت کا تھا۔ وہ باتیں جو اُس کی زندگی کے بھڑوہ و حاجت میں نہیں آتی تھیں اُس نے انہیں زندگی سے بالکل خارج کر دیا تھا۔ ملاقاتیں رکھی میل ملاپ اور دعوتیں تو مگر اُس کے لئے ان جانی چیزیں تھیں۔ لیکن جہاں تک اُس کے دوستوں کا تعلق تھا۔ جب بھی انہیں مدد یا مشورہ کی ضرورت پیش آتی وہ کبھی درِ بلغ نہ کرتا۔ اپنا کام چھوڑ کر بھی ان کی باتیں سنتا۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ انہیں دیکھنے جاتا۔ ساری زندگی میں شاید ہی کبھی وہ کسی سوشل اجتماع میں چندہ منت سے زیادہ دہر فیرا ہو۔ قمیض میں اُس نے جو چند شامیں گزاری ہیں وہ مستحیثات سے ہیں۔ وہ صرف شیکسپیر کا ڈرامہ ”ہمسلٹ“ اور سفا کلیز کا ڈرامہ ”پادشاہ ایلی“ ہیں دیکھنے گیا۔ اتوار کے روز وہ اکثر عجائب گھر چلا جاتا۔ آثار قدیمہ کے تاورات خصوصاً وہ توار جو مصر سے آیا کرتے تھے وہ ضرور دیکھتا کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ اُس کا کوئی پرانا دوست آگیا تو دونوں مل کر باتش کا ایک کھیل جو دی آ نکا میں بہت مقبول تھا کھیلنے لگے۔ وہ اس کھیل میں بہت مشاق تھا اور اُس نے اس کھیل میں چند ایک باتیں ایجا دی بھی کی تھیں۔

لڑائی کی مصروفیات کا اندازہ اُس کے کام سے لگایا جاسکتا ہے۔ اُس کے ایک ساتھی اور شاگرد نے لکھا ہے۔ ”وہ صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک مریضوں کو دیکھتا۔ پھر دوپہر کا کھانا کھنے کے ساتھ مل کر کھاتا۔ اس کے بعد عموماً ایک گھنٹے کے لئے بازار چلا جاتا۔ تجارت خواتین۔ کتب فروشوں، سکار کی دکان سے خرید و فروخت کرتا کھادیوں کے ہاں سے آثار قدیمہ کی چیزیں تلاش کیا کرتا۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو خصوصیت سے مشورہ لینے آتے۔ اس کے بعد پھر مریضوں کا تانا باندھ جاتا اور یہ سلسلہ سات سات سات بجے شام تک جاری رہتا اپنے پروگرام پر وہ بڑی سختی سے کار بند رہتا لیکن اس میں کبھی کبھی تنوع بھی پیدا کر لیا جاتا۔ دوپہر کو گھر میں آ کر اسے ایک گونا گون میسر آتا۔ وہ کہتا دن کا پہلا حصہ تو ختم ہو گیا۔ بارہا اُس نے اندر داخل ہوتے ہی ایک جیب قسم کی آواز نکالی جیسے کوئی فرار پا ہو۔ عموماً یہ سب سے چھوٹی بچی کی خاطر ہوا کرتا تھا۔ شام کے کھانے کے بعد وہ اپنے اسٹوڈیو میں چلا جاتا۔ جدہ کی شام کو تجزیہ نفس کی مجلس کا جلسہ آتا۔ ہفتہ کی شام اس کا نگہر ہوتا تھا جس کی تیاری وہ دوپہر سے کرنی

شروع کر دیتا۔ واپس آ کر مونا ٹاش کی بادی لگتی۔ کبھی کبھار شام کے بعد تجزیہ نفس کے رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کے مسودات دیکھے جاتے۔

فرائڈ کے اسٹوڈیو میں مجھے رکھے تھے دیوتاؤں کے مجسمے بعض دیوتا تو جانوروں کی شکل کے تھے۔ کمرے میں سگا رکا دھواں بھرا رہتا۔ یہاں بیٹھ کر جب وہ اپنے خاص دوستوں اور شاگردوں سے گفتگو کرتا یا انہیں اپنے نئے مضامین سناتا۔ تو سننے والوں پر اس کا اور بھی اثر ہوتا۔ یہ شخصیں بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھیں۔ کیوں کہ فرائڈ کی شخصیت اور کمرے کا ماحول مل کر کچھ اور ہی تاثر پیدا کرتے تھے۔ ان صحبتوں میں بڑی پر لطف باتیں ہوا کرتیں۔

شام کے بعد وہ اکیلے میں کام کرنے کا عادی تھا۔ کافی رات کے گئے تک بیٹھا پڑھتا اور لکھتا رہتا اور جو نئی وہ ستر پر دراز ہوتا سو جاتا صبح ٹھیک وقت پر اس کی آنکھ کھل جاتی۔ پولیٹن میں بھی یہی وصف تھا کہ وہ چنی تو قوس کو جب چاہتا اکٹھا کر لیتا اور جب چاہتا اُن سے کام لیتا شروع کر دیتا۔ یہ وصف بہت کم انسانوں میں پایا جاتا ہے۔

فرائڈ وقت کے معاملے میں بہت کلاسیک شعار تھا۔ کیا بھال جو بے فائدہ وقت ضائع ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے انتظار سے بہت نفرت تھی۔ فرائڈ کہا کرتا کہ۔ ”ایک گنہگار کو اگر لاکھوں برس دوزخ کی آگ میں جلایا جائے اور پھر اُسے وہاں سے نکال کر دوسرے کمرے میں اس لئے بٹھا دیا جائے کہ وہاں بیٹھ کر وہ آئندہ فیصلے کا انتظار کرے تو یہ انتظار آگ سے جلنے سے زیادہ تکلیف دہ عذاب ثابت ہوگا۔“

تناقض بالذات انسانی فطرت کا نشان ہے۔ فرائڈ بھی کبھی کبھی وقت کے استعمال میں اسراف سے کام لیا کرتا اور یہ اس وقت ہوتا جب اُسے کہیں ریل سے جانا ہوتا۔ وہ وقت سے کافی پہلے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جاتا اور گاڑی کے آنے کا انتظار کیا کرتا۔

علی الصبح ناشتہ سے لے کر رات کے سونے تک وہ سگار پینے کا عادی تھا کیا بھال جو ایک لمحے کے لئے سگار نوشی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اس کا معمول تھا کہ وہ روزانہ بیس سگار پیتا۔ یہ سگار زیادہ لمبے نہیں ہوتے تھے اور نہ اُن کا تبا کو زیادہ کڑوا ہوتا۔ یہ اس تبا کو سے بنے ہوتے جو آسٹریا حکومت کے زیرِ تحویل تھا۔ اُسے سگار نوشی کی عادت اس قدر زیادہ تھی کہ اگر اُس کے ارد گرد بیٹھنے والے سگار نہ پیتے تو وہ بھنجھلا اٹتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے محدود چلتے کے اراکین سب کے سب

سگار پینے لگے بیماری کی وجہ سے اس کے آپریشن ہوئے ان کی وجہ سے مجبوراً اسے سگار پینے میں کمی کرنی پڑی لیکن آخر وقت تک دو سگار پینا ضرور رہا۔

سال کے دوران میں وہ بار بار تھوڑے تھوڑے دنوں کا لئے چھٹیاں منانے کے قائل نہیں تھا۔ وہ یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کام کے دوران میں وقفہ ڈالا جائے۔ بلکہ ہر سال وہ تین ماہ کے لئے سارا کاروبار بند کر دیتا اور جون سے لے کر ستمبر تک چھٹی مناتا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ہمراہ الپائن کی تفریح گاہوں میں جایا کرتا۔ اسی چھٹی کے آخری ایام سفر کے لئے مخصوص تھے وہ اٹلی میں جا کر خوب خوب سیر کیا کرتا۔ اس سفر میں اس کا بھائی اور کبھی کبھار اس کا دوست اور بیرو فرنی (Ferency) ساتھ ہوا کرتا تھا۔

روم کی سیر کا اسے بڑا شوق تھا۔ لیکن کئی برس وہ وہاں نہ جاسکا۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ ستمبر میں وہاں طبریا کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال کئی اور خیالات کی طرح بھٹ تو ہم پر پڑی ہوئی تھا تو اس نے روم جانا شروع کر دیا۔ اس کا ذکر اس نے اپنی کتاب ”تعبیر خواب“ میں بھی کیا ہے۔ سیر ذکار روم اور نظاۃ الثانیہ کا روم عمر بھر اس کا محبوب ملک رہا۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے روم کی جگہ لے لی۔

زندگی بھر اس نے جتنے بھی سفر کئے ہیں ان میں سے امریکہ کا سفر سب سے ناکام رہا حالانکہ جن حالات میں یہ سفر کیا گیا تھا وہ بہت سازگار تھے۔ کھارک یونیورسٹی نے فرانڈ کو دعوت دی کہ وہ وہاں آ کر ایک سلسلہ لکچروں کا شروع کرے اور یونیورسٹی کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر اعزازی ڈگری قبول کرے۔ یہ اعزاز اس زندگی میں پہلا موقع تھا جب اس کی دریاخوئوں کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ یونیورسٹی کے صدر پروفیسر جی شیلے ہال نے فرانڈ کی عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ پھر یونسن میں پروفیسر ہنٹ نام نے بھی فرانڈ کے خوب آؤ بھگت کی۔ پروفیسر ہنٹ نام اگرچہ خود ”یونیورسٹی“ فرقی سے تعلق رکھتا تھا جو اخلاق کا بہت خیال رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس نے ”مثنائی اخلاق“ تحلیل نفسی کی خوب مدافعت کی۔ سمندر کے سفر کے دوران میں اس کے ساتھ اس کے بہترین دوست فرنی جونز اور ڈیگ موجود تھے۔ چنانچہ اپنے اس سفر کے بارے میں وہ اپنے خود نوشت میں لکھتا ہے۔ ”یورپ میں اپنے تئیں ایک اچھوت خیال کرتا تھا لیکن یہاں (امریکہ میں) میں نے دیکھا کہ بڑے سے بڑا آدمی مجھے اپنے برابر سمجھتا ہے۔ جب میں نے

پانچ کچھروں کا سلسلہ شروع کیا تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا کوئی بیداری کا نرالا خواب پورا ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ تحلیل نفسی اب کوئی سوہوم چیز نہ تھی بلکہ ایک ملیر حقیقت بن کر سامنے آگئی تھی۔ "سفر کی ابتدا جس امید افزا طور سے ہوئی تھی۔ انجام اتنا ہی مایوس کن ہوا اور جب وہ اس سفر سے لوٹا تو اس کے ذہن میں جتنے تاثرات تھے ان سے وہ ایک پوچھ محسوس کر رہا تھا اور ان تاثرات نے اس تصور کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو اُس نے امریکہ کے متعلق تیار کی تھی۔ اس کا تاثر امریکہ کے بارے میں یہ تھا کہ "امریکہ ایک بڑا شکوہ تجربہ ہے جسے ساری دنیا نے دیکھا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تجربہ کا سیلاب نہیں ہوگا۔"

گرمیوں کی چینیوں میں وہ مریضوں کا علاج معالجہ اور ان کے معائنے کرنا بالکل بند کر دیا کرتا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے حالات بالکل بدل گئے اور سفر کرنا اس کے لئے تکلیف دہ ہو گیا اس کا کسی ایسی جگہ جانا جہاں کوئی ڈاکٹر موجود نہ ہو بہت خطرناک تھا۔ اب وہ گرمیوں میں غیر معینہ مدت کے لئے کسی قریب کے پہاڑی مقام پر چلا جاتا جہاں اس کے لئے ایک ایسا گھر کرایہ پر لیا جاتا جس کے ساتھ باغ بھی ہو۔ کوشش یہ کی جاتی کہ اس کے تجسس ملاقاتی نہ آئیں۔ وہ ان لوگوں سے جان چمڑانا چاہتا تھا۔ اُسے شہرت سے بہت نفرت تھی۔ تھا شاید آٹھ ماہ پہلے نہیں تھا۔ لیکن منہ کے پریشانیوں نے پھر سے میں جو نقص پیدا ہو گیا تھا اس سے وہ زیادہ احساس ہو گیا اور ملاقاتوں کا سلسلہ بالکل بند کر دیا۔ زندگی کے آخری ایام میں تو اس نے دی آگے کے گرد و فواح میں ہی گرمی کا موسم گزارنا شروع کر دیا۔ وہاں وہ ایسا مکان تلاش کر لیتا جس میں باغ ضرور ہو۔

اس کا حلقہ العباب روز بروز محدود ہوتا گیا۔ لیکن ہر وہ چیز جس میں حسن کا شائبہ تک بھی نظر آ سکتا تھا اُس کی توجہ کا مرکز بن جاتی۔ وہ اپنے باغ کے ایک ایک ٹکے کا مشاہدہ کیا کرتا اور پھر اسی گرم جوشی سے ان میں تبدیلیوں کا ذکر کرتا جس طرح وہ دنیا کی مختلف قوموں کے آرٹ اور تہذیب کا ذکر کیا کرتا۔ جن کا مطالعہ اس نے کیا تھا اُس نے انسان کی نشوونما کی تاریخ میں ایروس (Eras) جہلت حیات اور موت کی جہلت کی کشش کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اُسی کی روشنی میں بیڑوں کی زندگی کے چکر پر بھی غور و فکر کیا کرتا۔ کس طرح بھول اُمتا ہے بڑھتا ہے مرنے کا گر پڑتا ہے اور پھر دوبارہ جنم لیتا ہے۔

زندگی کے آخری دنوں میں بھی اس نے اپنی تجرباتی تحقیقات کو جاری رکھا۔ گو اس کا وقت چند گھنٹے کر دیا گیا تھا۔ اس وقت وہ صرف فوری کیس اور خاص مریضوں کو دیکھتا۔

گرمیوں کے تھن مینے چھٹی منانا فرانڈ کے نزویک ایک مذہبی فریڈے کی ہی اہمیت رکھتا تھا۔ جب اس کی صحت بحال تھی تو اسے لکھنے کے لئے کافی وقت میسر آ جاتا۔ اس نے ان دنوں سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب اس کے پاس زیادہ فرصت کا وقت نہیں ہوتا تھا تو تحریری کام ہی نہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنی ساری مصروفیات کے باوجود جب وہ ان میں شہک ہوتا تو بھی اپنا کام کئے جاتا۔ چنانچہ بہت سے ایسے مسائل جن کے لئے توجہ کی کافی ضرورت ہوتی تھی۔ اُس نے اپنی ساری مصروفیات کے ہوتے ہوئے ان پر نگھا اور خوب خوب نگھا۔ پھر اس دوران میں نہ اس نے دوسرے کاموں کو ترک کیا اور نہ دوسرے کاموں کی زیادتی کی وجہ سے اس کے مضامین نکشر ہے۔ جب محنت سے محبت ہو جائے تو وقت بھی نکل آتا ہے۔

۵

شاعر، فن کار، سائنس دان اور ماہرین نفسیات دنیا کو نئے نئے خیالات سے متعارف کراتے ہیں اور انسان کے محدود علم میں برابر اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ نفسیات کے ایک طالب علم کے لئے یہ سوال بہت دلچسپ ہے کہ تحقیقی فکر کیسے عمل پیرا ہوتی ہے؟ نئے خیالات کس طرح جنم لیتے ہیں پختہ ہوتے ہیں اور بالآخر سامنے آتے ہیں؟ ایچ کسے کہتے ہیں۔ یہ مطالعہ بہت دلچسپ ہے اور اس کے لئے کسی ”ویڈیو“ کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے قرب سے وہ ساری حقیقتیں پائی جاسکیں جن سے دو چار ہو کر ”ویڈیو“ کے خیالات کی تکمیل ہوتی ہے۔

جہاں تک فرائض کی زندگی کا تعلق ہے اس نے اپنا ایک لامحالہ عمل تیار کر لیا تھا اور اس کی زندگی اسی کے مطابق بڑی باقاعدگی سے بسر ہوتی رہی۔ وہ اپنا تحقیقاتی کام بڑے انہماک سے کرتا رہتا۔ اس کے آٹھ یا نو گھنٹے روزانہ تجرباتی کاموں پر صرف ہوتے۔ یہ کافی عرق ریزی کا کام تھا۔ دائمی کام کرنے کے لئے جس توجہ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پھر تجربے نفس بذات خود وقتی کاروبار ہے جس سے اس کی نزاکت اور بگی بڑھ جاتی ہے۔ فرائض کو ایک اور وقت کا بھی سامنا تھا۔ اُسے اپنا تجربہ آپ کرنا پڑتا۔ اپنے لاشعور کو کریدنا ہوتا اس سے اس کی عرق ریزی میں اور اضافہ ہو جاتا۔

جب ہم کسی کے ذہن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اس شخص کے چند پہلو سامنے آتے ہیں۔ جس سے ہم اس کی ذات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم اس مطالعہ کو گہرا کرنا چاہیں تو ہمیں شخص ذات سے اندازہ لگانے کی بجائے گہرائی کی طرف جانا ہوگا تجرباتی اور ادراک پر بھی یہی اصول جاری ہوتا ہے۔ لاشعور ذہن کا ایک حصہ ہے جس میں وہ جذبات اور

بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ قابو سے باہر نکل جاتا ہے اور اس قدر دور جا پہنچتا ہے۔ جہاں اس کا چلا جانا تجربہ کے لئے بھی سودوں نہیں ہے۔ جب ایک طرف شعوری مقصد ہو اور دوسری طرف کوئی لاشعوری کشش تو اس سے ایک مزاحمت (Resistance) پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج ناگوار ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے تجربہ کار کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ خود اپنا مسلسل تجربہ کرانے تاکہ اس میں دیر پا ضبط نفس پیدا ہو جو وہ ذاتی تعلقات کو استوار کر سکے۔ کیونکہ تجربہ کار اور اس کا ”معمول“ شعوری طوط پر اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہوتے ہیں لیکن لاشعوری طور پر ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس کے بغیر تحقیق اور ادراک سے مقصود حاصل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں ایسی مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے جو جذبات سے بالاتر اور جامع ہو۔ ان دو مافی قوتوں کے عمل کی پروا محنت کے لئے تجربہ کار اور اس کے معمول کے درمیان ایک فاصلے کی ضرورت ہوتی ہے جسے کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تحقیق اور ادراک کے نازک توازن کو برقرار رکھنے سے تجربہ کار کے ذہن پر کافی بوجھ پڑتا ہے۔ بسلا ایک تجربہ کار جسے اپنے آپ کو ایک دن میں سات یا آٹھ شخصیتوں میں ڈھالنا پڑتا ہو اور پھر اس دوران میں اُسے اپنے پر پورا قابو بھی رکھنا پڑے کیا اس کے لئے ضروری نہیں کہ اُسے تلخگی میسر آئے جس سے اس وقت اپنی تھکاوٹ دور کر سکے۔

لاشعور کو سمجھنے کے لئے فرائڈ کا وجدانی اور اک اُس بلند مقام تک پہنچا تھا جہاں تک نفسیاتی بصیرت چھان بین کر سکتی ہے۔ اس نے لاشعور کی بھول بھلیوں کو جنہیں اب تک کسی نے نہیں سمجھا تھا کہ یہ اور سمجھا۔ وہ اُس خاردار دریا سے کاراؤنٹا تھا جہاں ہر قدم پر ایک نئی تاریکی کا سامنا ہوتا ہے اور نیا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اس نے اپنی تحقیقات کی ابتدا کی تو اس وقت اس کا کوئی نظریہ نہ تھا اور نہ ایسا فنی تجربہ جس سے وہ کوئی نظریہ قائم کر سکتا اس نے جو فنی اپنے تجربات شروع کئے۔ چاروں طرف سے اس کی راہ میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ مخالفت ہونے لگی۔ اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اس کے ہم عصروں نے اس کے خلاف بڑے زور شور سے آواز اٹھائی۔ اُس کی تنہیک کی گئی۔ تجزیاتی حقیقات کے دوران لاتعداد تجربات ہو گئے۔ لیکن اس کے پاس کوئی لیباڑی نہیں تھی۔ جس کی مدد سے وہ ان تجربات کو باقاعدگی سے کنٹرول کر سکتا۔ اس راہداری کے عالم میں اُس نے ان بے شمار واقعات اور تجربات سے آہستہ آہستہ نتائج اخذ کرنے شروع کئے جو

بالا خراس قابل ہو سکے اُن سے سائنٹفک طریق پر کام لیا جاسکے۔ ان تجربات اور تاثرات سے وہ پورا پورا قاعدہ انھماٹا جاتا تھا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنی توجہ اُن سے ہٹالے۔ یہاں تک کہ کام کرنے کے اوقات ختم ہو جاتے۔ کام سے فراغت پا کر ذرا سستا لینا اُس کے لئے ایک ایسی عشرت تھی جو اُسے میسر نہ آتی۔ آٹھ نو گھنٹے وہ تجویزاتی کام کرتا۔ مریضوں کی تحلیل نفسی کرتا اور اس کے بعد وہ تمام مواد جو دن بھر اکٹھا ہوتا رہا تھا کمبند کر کے نہایت تنہائی سے اس کا جائزہ لیتا۔ اس کے بعد وہ چھان بین کرتا اور کوشش کرتا کہ جب تک تازہ مواد اس کے ذہن میں ہے۔ اس کی اچھی طرح چھان بین کر لے۔ یہی ایک طریقہ تھا جس سے وہ اس سارے مواد کو محفوظ کر سکتا تھا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اچھا اچھے مشاق بھی یہاں آ کر رہ جاتے ہیں۔ بچاس برس متواتر فرائڈ اپنے مریضوں کے امراض کی روداد نگہداشت ہاں میں جو نکات اہم ہوتے وہ ان کو با تفصیل درج کرتا اور کوشش کرتا کہ حرف بحرف تحریر میں آ جائیں وہ ان کا تحصیل کو فوراً تحریر میں نہیں لاتا تھا۔ بلکہ پہلے مجمل طور پر لکھتا۔ اس کے بعد ہفتہ بھر ایسی اجمالی تحریریں لکھتی کر کے انہیں ایک باقاعدہ پانچویں کی صورت دے لیا کرتا۔ چنانچہ ان میں سے چند ”رودادیں“ شائع بھی ہوئی ہیں۔ ان کا مطالعہ کافی معلومات افزا ہے۔ ان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک شخص اگر محنت سے متواتر کام کرتا رہے تو نوں گھنٹوں میں ایک بھی روداد مرض مکمل نہیں لکھ سکتا۔ فرائڈ مستحق تھی۔

فرائڈ کے خطوط بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اُن میں بعض خطوط نفی قسم کے تھے اور بعض خطوط حادثات زمانہ کی وجہ سے تلف بھی ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود خطوط اب بھی موجود ہیں جب کبھی وہ شائع ہوئے اُن کی تعداد ہزاروں ہوگی۔ یہ خطوط اپنے رفقاء، اچھیوں، بھیدوں، تھوڑوں، مخالفوں اور ہمدردوں کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں وہ لوگ ہیں جو اُس کے زیر علاج رہے وہ عالم ہیں جن کی دلچسپی نے انہیں اُس کی طرف متوجہ کیا وہ ادیب ہیں جن کے نفسیاتی وجدان کو فرائڈ کی تحریروں سے دھکا لگا۔ اُسے کوئی بھی خط لکھ دیتا اور اگر اس میں کوئی بات قابل توجہ ہوتی یا کوئی انوکھا مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ ضرور اس کا جواب دیتا۔ یہ کام حبیب زیادہ تر اُن ہیروؤں کو لکھے گئے ہیں جو مختلف ملکوں میں بستے تھے۔ فرائڈ ان کے لئے راہ نمائی اور مشوروں کا ایک مسلسل منبع تھا۔ تحلیل نفسی کے سلسلے میں وہ متواتر اپنے ان شاگردوں کو ہدایات دیتا رہتا۔ یہی نہیں بلکہ ان کے ذاتی معاملات میں بھی وہ اُن کی راہ نمائی کرتا۔ ان لوگوں کے کردار کے مسائل میں بھی ذرا زیادہ اچھے

ہوئے تھے۔ ان کو سلجھانے میں وہ سب کی مدد کرتا۔ اس کے اُن خطوط میں نئے نئے انکشافات ہوتے تھیل قلمی کی نشوونما کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں آتی تھیں اُن کا حل ہوتا اور تمام باتیں ہوتیں جن سے یہ تجزیہ کار اپنے ذہن کو صاف کر سکتے تھے۔ اس کے خطوط ایک مشعل راہ تھی۔ جو دنیا کے چاروں کونوں میں اس کے پیروؤں کے لئے راستہ دکھانے کا کام دیتی تھی۔

اس کے لکھنے کے میز پر کاغذ کا ایک بڑا ٹکڑا رکھا رہتا جس پر تاریخ درج ہوتی۔ اس کاغذ کے بائیں جانب وہ تمام خطوط درج ہوتے جو اُسے باہر سے آئے تھے اور دائیں جانب وہ خطوط جو اُس نے لکھے۔ وہ اپنے تمام خطوط کا جواب خود اپنے قلم سے دیا کرتا۔ عمر کے آخری حصے میں کبھی کبھی اس کی بی بی انا فرائڈ سیکرٹری کے فرانکس سرانجام دیتی رہی۔ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل بھی جبکہ طاقت جواب دے چکی تھی اور مشکل سے قلم تھام سکتا تھا اُس نے چند خطوط لکھے۔

اگر یہ مکاتیب مرتب ہو کر شائع ہو گئے تو دنیا فرائڈ کے علم و حکمت سے اور زیادہ مستفید ہوگی اور اُن میں سے اور روشنی ملے گی جو اُن کے لئے مشعل راہ ہو سکے گی۔ ان خطوط میں فرائڈ کے خیالات کی گہرائی، جرات، دلیری اور طرز نگارش حیرت انگیز طور پر نمایاں ہوگی۔ بہت سی ایسی باتیں جو اس کی تصانیف میں بھی نہیں آسکیں یہاں ملیں گی۔ خط کاتب و لہجہ ذاتی اور فنی ہوتا ہے اور اس میں بے تکلفی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ ایک گھٹنے میں دس بارہ خطوط لکھتا تھا۔ یہ رفتار حیرت انگیز ہے کیونکہ اسے تھوڑے وقت میں اس قسم کی فنی خطوط لکھنا سمجھوے سے کم نہیں۔

فرائڈ نے سائنٹیفک دنیا میں اپنی تحقیقات اور دریافتوں سے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ اس کی مثال انسان تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ پہلا انسان ہے جس نے خود انسان کو سمجھنے کے لئے اس قدر کام کیا۔ پھر جو شخص بھی اس سرچشمہ سے سیراب ہوا وہ بھی انسان کو سمجھنے لگا۔ اور نئی نوع انسان کی انجمنوں کو کم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ساتھ برس کی طویل مدت اس نے انسانیت کی خدمت میں گذاری ہے۔ اس دوران میں قلم اور زبان سے وہ ہر ایسا پیغام دنیا کو دیتا رہا۔ آج ہمارے سامنے اُس کی تحریروں کے انبار لگے ہیں۔ یہ علم و حکمت کے وہ خزانے ہیں جن کے ذریعے انسانیت کے اس مہمن نے انسان کو بلند کرنا چاہا۔ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل ایک واہجے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ فرائڈ ہی تھا جس نے انسان کو اس واہجہ سے نکالا اور پھر اُسے وہ روشنی بخشی جس کے ذریعے انسان انسان بن سکتا ہے۔

فرائز اکثر کھینے سے پہلے اپنے موضوع پر بہت زیادہ غور و خوض کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تحریر میں کبھی کسی لفظ کو غلط نہیں کرتا تھا۔ ہاں جب کبھی کوئی بات یا نظریہ اُسے بدلنا ہوتا وہ ساری تحریر کو دوبارہ لکھتا۔ اُسے اپنی تحریر میں کانٹ چھانٹ چھانٹ پسند نہ تھی۔ اس کی محنت کا اندازہ لگائیے کہ اس نئی کی کتاب میں برسوں شائع نہ کرائیں بلکہ انہیں بار بار لکھتا رہا اور جہاں کہیں اُسے بدلنا پڑا اس نے ساری تحریر کو دوبارہ لکھا۔“

وہ اپنے آپ پر کڑی تنقید کرنے کا عادی تھا۔ اگر کسی بات سے اس کی اپنی تعریف نہ ہوتی تھی تو وہ اس وقت تک اُسے الٹا نہیں دیکھتا۔ جب تک اسے اس کے متعلق خود اطمینان نہ ہو جاتا وہ لوگ جنہیں وہ اس قابل سمجھتا تھا کہ اس کی تحریروں پر تنقید کر سکیں ان کی تنقید کا وہ ہمیشہ خیر مقدم کرتا۔ جب اپنے رفقا یا انٹرنیشنل سائیکو اینالیسٹ سوسائٹی میں وہ کوئی مقالہ پیش کرتا تو اس پر غوطہ بحث ہوا کرتی۔ وہ خود بھی اس بحث میں حصہ لیتا اور ہر سوال کو اس نوعیت کے مطابق زیر بحث لاتا۔ فرائز کی طرز فکر میں ایک بات بہت زیادہ قابل غور ہے وہ ہر نظریہ قائم کرنے سے پہلے اس پر خود بہت سے سوالات اور اعتراضات وارد کر لیتا اور پھر ان کے حل کرنے کے بعد کسی نتیجہ کو مرتب کرتا۔ اس لئے اکثر ان بحثوں میں جو بھی سوالات پیش کئے جاتے وہ عموماً وہی ہو جو خود اس کے پیش نظر تھے۔ شاید ہی ایسا کوئی موقع ہو گا جب اُسے اپنے کسی نظریے کو ان مجالس کی بحث کے باعث بدلنا پڑا ہو۔

بحث و تجویس کے سلسلے میں اگر کوئی نفاذ خلوص سے اس پر سوالات کرتا تو اعتراضات کا سلسلہ کتنا ہی فرسودہ کیوں نہ ہوتا وہ بڑے تحمل سے اُن کو سنتا اور جواب دیتا۔ وہ لوگ جو دلائل کی بجائے اپنی قابلیت اور لفاظی سے رعب بھانے کی کوشش کرتے وہ انہیں درخور اعتناء نہ سمجھتا تحلیل نفسی کی تحریک کے ابتدائی دور میں جب فرائز بحثوں میں حصہ لیا کرتا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ وہ طلباء کی ایک مجلس میں موجود تھا۔ جہاں ”جنسی اجتناب“ کا موضوع زیر بحث آیا۔ فرائز کو بھی بولنے کی دعوت دی گئی۔ اس نے موافق یا مخالف کچھ نہ کہا۔ بلکہ تجویز نفس کا زواہ نگاہ پیش کیا۔ وہاں ایک لفظ کے پروفیسر بھی موجود تھے جو فرائز کی ہر بات کی مخالفت کرتا اپنا فرض سمجھتے تھے چنانچہ وہ اخلاقی کے راہدار پر سوار ہو کر فرائز پر حملے کرنے لگے۔ فرائز نوپا پائی کوٹ اٹھا یا اور ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلا آیا۔

نے اور انہ کھے خیالات کس طرح جنم لیتے ہیں؟ اس کا جواب فرائڈ کی زندگی میں ملتا ہے۔ ابتدا میں اُسے امراضِ دماغی کے علم کی تحقیقات کے دوران میں ایک نئی بات کا تصور سامراغ ملا۔ اس نے اپنی توجہ ذہن پر مرکوز کر دی۔ آہستہ آہستہ معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور پھر ایسے نئے اصولوں نے جنم لیا جو انسانی نفسیات اور تہذیب پر حادی ہو گئے۔ تحقیقات کے دوران میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ ایک اور مسئلے پر غور کر رہا ہے کہ ایک نئی بات سامنے آ گئی۔ ایک دن وہ کسی حراجہ رسالے میں ایک کارٹون دیکھ رہا تھا جس میں ایک لڑکی کی زندگی کے دورِ رخ دکھائے گئے تھے۔ پہلی حالت میں وہ ہاتھ میں پھڑکی لئے لڑکیوں ہاتھ میں رہی تھی اور دوسری میں وہ گورنرس تھی جو چند نوجوان لڑکیوں کو اپنی زنا نہ چھتری سے اشارہ کر کے کچھ بتا رہی تھی۔ لڑکیوں اور بچوں کے گروہ میں یکسانیت پیدا کی گئی تھی۔ اس کارٹون سے اس نے ارتقاع کے نظریے کی طرف توجہ کی اور بلا فرحان اور لاشعور کے تعلق پر ایک مفصل کتاب لکھی۔

فرائڈ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جس موضوع سے اُسے دلچسپی ہوتی وہ اس کے متعلق ہر کتاب اور سائنٹیفک مقالہ جو اسے میسر آتا پڑھا لیا کرتا۔ اُسے تاریخ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کے بعد قدیم روم اور یونان کی زندگی اور اُٹ رٹ اس کی توجہ کا مرکز ہے۔

مصر، بائبل اور شام کی تہذیب سے بھی اس کو کافی لگاؤ تھا۔ جب بھی وہ پرانے مافوق شہروں کی کھدائی کی روداد پڑھتا تو اس کے دل میں وہاں کے حالات دریافت کرنے کا ایک جوش پیدا ہو جاتا۔ خود اس کے پاس نادراتِ قدیمہ کا کافی ذخیرہ تھا۔ وہ نو دریافت نوادرات سے اپنے نادرات کا مقابلہ کرتا۔ اس نے ان نادرات کے ذریعے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی ذہنی نشوونما کا اندازہ لگایا اور تحلیل نفسی کی روشنی ان ساری دلچسپیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ وہ تہذیبیں جو مٹ چکی تھیں اور جن کے کھنڈرات سے نئی تہذیبیں معرض وجود میں آتی رہیں۔ اس میں اُس نے اس تہذیبی دباؤ کا گہرا مطالعہ اور اس کے نتائج سے تحلیل نفسی کی نشوونما دی۔

جب وہ اپنے انسٹوڈیو میں کسی سے باتیں کر رہا ہوتا تو ان نادرات میں سے کوئی چیز اٹھا لیتا اور لگا جس اس پر کاڑھتا تھا تو اس سے اُسے چھوٹا رہتا۔ جب کوئی دوسرا باتیں کرنے لگتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا بلکہ نہایت توجہ سے اُس کی باتیں سنتا۔ کبھی کبھی اس دوران میں وہ اپنی انگشتی کو حرکت دینے لگتا۔ اس کے چہرے کے آثار چہانِ پادہ لیل نشست سے کبھی بات کرنے والہ جواب میں

کچھ کہنا تو معلوم ہوتا کہ اس نے ساری باتیں بڑے غور سے سنی تھی۔

اپنے رفیقوں سے باتیں کرتے وقت تحلیل نفسی کا زاویہ نگاہ اس کے پیش نظر آتا تھا۔ زندگی کا ہر حادثہ جو زیر بحث آتا اس کی دو جہتیں اور دور رس نگاہ اس سے سمجھنے کی خواہشات جنسی دہاؤ کے اثرات ارتقاع یا وہ ساری صورتیں جن کا روپ بدل کر وہ الیہ یا حرا حید نقاب اوڑھ لیتا تھا ڈھونڈ لیتی تھی۔ فرائڈ نے دنیا کو تحلیل نفسی کی عینک سے دیکھا اور ساری باتیں جن سے دوسروں کی آنکھیں چند حیا چاہا کرتی تھیں اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

فرائڈ کی ساری دلچسپیوں کا مرکز انسانی ذہن تھا اور ان دلچسپیوں کا ایک حصہ کتابوں کا مطالعہ۔ یہ مطالعہ محض فنی کتابوں تک محدود نہیں تھا بلکہ اس نے دنیا بھر کے اعلیٰ و ارفع ادب کو کھنگال ڈالا۔ اپنے زمانے کے نامور ادباء کی تصانیف بھی اس کے پیش نظر تھیں۔ اپنی مادری زبان جرمن کے علاوہ اُسے انگریزی اور فرانسیسی پر پورا عبور تھا۔ اطالوی اور ہسپانوی زبانیں وہ بڑی آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔ لاطینی اور یونانی زبانیں اس نے سکول کے زمانے میں پڑھی تھیں مگر ان سے اُس نے زیادہ کام نہیں لیا۔

مصلحین میں سے اُسے اتنا طول فرانس سب سے زیادہ محبوب تھا اور اس کی تحریروں کا وہ اپنے احباب سے اکثر ذکر کیا کرتا۔ اتنا طول فرانس کی ایک کہانی "فرشتوں سے بناوت" اُسے بہت پسند تھی۔ اس میں ایک جگہ اتنا طول فرانس تہذیب کی نشوونما کو باطنی فرشتوں کی کشش کے بجائے میں بیان کرتا ہے۔ اس کہانی کا انجام تو فرائڈ کو بہت زیادہ پسند تھا شیطان باطنی فرشتوں کی قیادت رد کر دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ "ازلی مطلق انسان" کو باطنی قوت سے برطرف کر کے اس کی جگہ حاصل کرنے کا لازمی نتیجہ ہوگا اس میں بھی علم اور تنقید نظر آ جاتے گی۔

انیسویں صدی کے جرمن کلچر پر گہرے چھاپے چھایا ہوا تھا۔ اُس کا اثر ذہن لوگوں کی عام گفتگو میں بھی نظر آتا تھا۔ فرائڈ اُس کی تصنیف کا ولد ادہ تھا۔ اس کی لاجبہری میں گہرے کی تمام تصانیف کی اعلیٰ ترین ایلیٹن موجود تھے۔ فرائڈ کہا کرتا تھا کہ "اپنی ذات کو چھپانے کے لئے اُس نے اتنی سنا نہیں لکھی ہیں۔"

روسی مصنف دستوئسکی کی تصانیف میں نفسی تجزیہ کے آثار ملتے ہیں۔ اگر آرٹ اور سائنس کے راستے مختلف نہیں ہیں تو دستوئسکی کو فرائڈ کا پیش رو کہنا مبالغہ ہوگا۔ فرائڈ اس کے کرداروں

کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کیا کرتا تھا۔ ان کی عقلیں اور نفسیات کا وہ کامل تھا۔ دستوفسکی کے کردار سرگی کا نگار ہیں۔ لیکن فرانز اس کردار نگاری سے عقل نہیں تھا۔ روسی ادب میں ایک جادو ہے جو پڑھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔ جب انقلاب کے بعد اشتراکی روس میں پہلی بار فرانز کی کتابوں کا ترجمہ سرکاری طور پر شائع کیا گیا تو فرانز کے ایک ساتھی نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ تجزیہ نفس سے روس کی تشکیل پر کافی اثر انداز ہوگا۔ فرانز نے اس کا بہت دلچسپ جواب دیا ہے۔ اس نے کہا: ”روسی لوگ پانی کی طرح ہیں جو ہر قسم کے برتن کو بھرتا ہے لیکن کسی شکل کو مستقل طور پر اختیار نہیں کرتا۔“

ٹھیکسیر کا وہ بہت مداح تھا۔ سہلے کے ڈرامے میں انڈی پس انجمن موجود ہے جو فرانز کی دلچسپی اور توجہ کا موجب بنی اور اس کا ذکر اس نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ تحلیل نفسی کی مجالس میں اس پر بحثیں ہوتی رہیں۔ فرانز کے رفیق ارنسٹ جونز نے اس پر ایک طویل مقالہ لکھا۔ فرانز نے ٹھیکسیر کے دوسرے ڈراموں کی طرف بھی توجہ کی اس کے ساتھیوں کو ان ڈراموں میں کافی تجزیاتی مواد ملا ٹھیکسیر کے متعلق ایک بات فرانز خصوصیت سے کہا کرتا تھا کہ اگرچہ وہ استادانہ چابکدستی سے محرمات کو ظاہر کرتا یا چمپا تھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ میکا کی طور پر با اصول نہیں ہے۔ جہاں کہیں ڈرامے میں کوئی جذباتی مقام آتا ہے تو وہ منطقی اور نتیجے سے بے پروا ہو کر موقع محل کے مطابق بات کہہ جاتا ہے۔ مثلاً سہلے ایک جگہ اپنے خود کشا مہ میں موت کے بعد کی زندگی پر شے کا اظہار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط تھا کیونکہ وہ باپ کا بھوت دیکھتا ہے جو قبر سے نکل آیا تھا۔

پروں کی کہانیوں میں ایسی ہستیوں کا ذکر ملتا آتا ہے جن میں بارہ آدمیوں جتنی قوت ہوتی ہے۔ فرانز بھی ایسی ہی ایک ہستی تھا۔ اتنا جسمانی کام کرنے کے باوجود وہ کبھی تھکتا نہیں تھا۔ اکہرے بدن کا اختلاں جس کا سارا وقت تحقیقات مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں صرف ہو جاتا جب سیر و تفریح کے لئے پہاڑوں کی طرف نکل جاتا تو کیا کہاں کہ جھٹکے کا نام بھی لے۔ اس کے نو جوان ساتھی بہت ہار دیتے۔ مکروہ جو اس سال بوڑھا میر چنار ہوتا تھا۔ جہاں کہیں وہ جاتا جن چیزوں کو اُسے دیکھنا ہوتا وہ ضرور دیکھتا اور جب تک انہیں اچھی طرح دیکھ نہ لیتا اُسے چین نہ آتا۔

ان تفریحی مشرگشتیوں کے درمیان اُسے ضرور کوئی نہ کوئی نیا نظارہ یا کوئی غیر معمولی پروا وغیرہ مل جاتا جس سے اس کی دلچسپی بڑھ جاتی۔ جس قدر اس کا ذہن غیر معمولی خصوصیات کا حامل تھا

اسی قدر اس کی آنکھیں کھیں۔ وہ چیزیں جنہیں دوسری آنکھیں نظر انداز کر جایا کرتیں وہ انہیں دیکھ لیتا۔ ان پہاڑی سیرپانوں میں اُسے "کھٹیں" ڈھونڈنے کا بہت شوق تھا۔ اکثر وہ اپنے ساتھیوں سے شرط پاتا کہ جو سب سے اچھا نمونہ تلاش کرے گا اُسے انعام دیا جائے مگر اس کے سوا کبھی کسی نے یہ انعام حاصل نہیں کیا تھا۔

فرائڈ بلا کا کام کرنے والا تھا لیکن اپنی مصروفیات کے دوران میں وہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے وقت نکال لیا کرتا۔ جب اس کے کام کو دیکھتا جائے تو ایک پہاڑ ہے اور اس میں یہ تفریحی لمحات ایک نیلے سے بھی کم نظر آتے ہیں۔ لیکن ان نیلوں سے پہاڑ کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے۔ انسان کو غیر معمولی بنانے میں غیر معمولی کام بہت مدد دیتا ہے۔

دنیا کا ہر انسان مرد میدان ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی شخصیت نامکمل رہتی ہے۔ فرمائے
 نے ہزاروں برس کے "مقدس" معتقدات اور محرمانہ کی بنیادیں ہلا دیں۔ جس کا لازمی نتیجہ ایک
 سکھش تھا۔ یہ سکھش اس کی زندگی کا جزو بن گئی۔ اس کی کتابوں میں وہ سارے دلائل جو اس نے
 اپنے مخالفین کے جواب میں پیش کئے اور اس کا علم الکلام موجود ہے۔ لیکن اس مخالفت کا جذباتی
 رد عمل کیا ہوا کرتا تھا یہ اس کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ اس کے لئے ہمیں صرف ان لوگوں سے مدد
 ملتی ہے جو اس کے قریب رہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں کا ذرا یہ نگاہ بہت حد تک محدود ہوگا۔
 ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ فرمائے کے چاروں طرف ہاؤ ہوکا ہنگامہ چاروتھا لیکن اس میں سے
 بہت ہی کم اس کے ذہن کے اندر پہنچ کر ذرا سی کا لہلہ چا سکتا یا کسی زیادہ دلیل بازی کی کو بہت
 آتی۔ اس کے گرد گویا جادو کا ایک ایسا حلقہ گھنچ گیا تھا جس کے اندر معاندرو میں داخل نہیں ہو سکتی
 تھیں۔ زندگی میں وہ بہت کم مرتبہ دنگل میں نکلا لیکن جب بھی وہ نکلا اس نے اپنے حریف کو پھاڑا
 اور پھر خاموشی سے واپس پر سکون جگہ پر آ بیٹھا۔ چاروں طرف اجوم کا ہنگامہ بچا رہتا مگر وہ ان سے
 بے نیاز تھا۔

جہاں تک اس کی مخالفت کا تعلق ہے۔ جب ہم نظر متیق اسے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے
 یہ محض تعلی اور خالی خولی خود نمائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل جرمن ذہن
 کا یہ خاصہ تھا کہ اس میں تعلی اور خود نمائی بہت زیادہ تھی۔ یہی حالت دوسری جنگ عظیم سے پہلے
 جرمنی میں عود کرتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ جرمنوں کی غیر رواداری بھی اوج کمال پر تھی۔ وہ لوگ مخالف
 کی باتوں کا نہ صرف دلائل سے ابطال کرتے بلکہ یہاں تک حد سے تجاوز کر جاتے کہ مخالف کو زندہ
 رہنے کے حق سے بھی محروم کر دیتا چاہتے۔ جاننے یہ فقدان رواداری جرمنوں کے مکمل ہونے کے

حادث ہے یا مکمل ہونے کی وجہ سے ان میں یہ فیرواداری آگئی ہے۔ لیکن ایک حقیقت ضروری کہ جرمی کے لوگوں نے اپنے نامور لوگوں سے جو سلوک روا رکھا ہے وہ اسلٹاک رہا ہے۔ یہ ایک مسلحہ حقیقت ہے کہ جنٹلس کو اس کے عہد میں قبول نہیں کیا جاتا اور خطیر پر اس کے وطن میں کوئی ایمان نہیں لاتا۔ گائے اور شیر ایسے لوگوں پر کچڑ پھینکا گیا۔ انہیں بری سے بری گالیاں دی گئیں۔ شوہن ہار کے کارٹاے اچھے عظیم تھے جن کی مثال دنیا کی کوئی مہذب قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے ملک سے یہ صلہ کہ تیس برس کسی نے اسے درخور افتاء ہی نہ سمجھا کہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی کہا جائے۔ فرائڈ کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کے خلاف بھی پرلے دور ہے کی بدذوقی اور کج فہمی کے مظاہرے گئے گئے اور لطف یہ کہ ان میں بہت سے یہودی بھی شامل تھے بلکہ فرائڈ کے بدترین اور شدید ترین نقاد یہودی ہی تھے۔

فرائڈ خود لکھتا ہے کہ جب اس نے یہ بتایا کہ نورداتی غفل کا سرچشر ”نفسیاتی جنسی“ (Psycho Sexual) ہوتا ہے تو پر اس قدر ہلکا سا برپا ہوا کہ وہ خود حیران رہ گیا۔ تحلیل نفسی کا یہ فوری جذباتی رد ایک نظری اور ضروری داروہ (Phenomenon) تھا جس کے دوران میں ہر نورداتی مریض مزاحمت کرتا ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد اس نے نہ صرف خود ان اعتراضات کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کی۔ شاید چند ایک موقعوں پر اس نے مخالفین کے جواب میں مناظر اندر تک اختیار کر لیا ہو۔ تحلیل نفسی کی نشوونما اور کامیابی کا انحصار ان نتائج پر ہے جو اس نے اپنی تحقیقات سے اخذ کئے۔

اپنے مخالفین کے ہارے میں وہ اکثر خاموش رہتا۔ جب بھی اس نے ان عادی مخالفین کا ذکر کیا تو اس میں مزاح یا استہزا کا رنگ ہوتا اور کبھی کبھی وہ اس پر ہنس بھی لیا کرتا۔ یہ وہ واقعات اس نے خود بیان کئے ہیں۔

اس کا ایک نقاد بہت بڑا ڈاکٹر تھا جو نیورسز اور جنسیاتی تعلق کا بری طرح مخالف تھا۔ ایک دن اس کے کینک میں ایک لڑکی لائی گئی۔ جو مسٹر یا کی مریض تھی۔ جب دورہ پڑتا تو لڑکی ایسی حرکات کرتی جو بچے کی پیدائش کے وقت کی جاتی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ جھنجھلا یا اور یہ کہہ کر باہر چلا گیا ”کہ بچے کی پیدائش کو جنس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔“

ایک اور یہودی فیرواد اپنے طلباء سے کہا کرتا تھا کہ فرائڈ کے نظریے جنس میں ذرا بھر بھی صداقت

نہیں ہے اور اپنے اس بیان کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایک دن اس نے توہانی فورسز (Obsessional neurosis) کے ایک مریض کو پیش کیا۔ مریض نے اپنے حالات بیان کرنے کے دوران میں اپنے ایک ہی ہم کا ذکر کیا کہ جب بھی کوئی عورت اس کے سامنے آتی اس کا یہی جی چاہتا کہ اس عورت کا جینی کوٹ اوپر اٹھاوے۔ اس پر طلباء کے لبوں پر مسکراہٹ کھینچنے لگی۔ پروفیسر بھی تازہ کیا اور بولا۔ "یہ علامت محض اوپر کی ہی ہے۔ اس سے مضابطہ ہو سکتا ہے۔ اور اس نے مریض سے دریافت کیا کیا یہی وہم جنہیں ماں کے متعلق بھی انہیں خیالات پر اکساتا ہے؟"

"جی ہاں! بہت زیادہ! یہی تو سب سے بڑی بات ہے۔" اور اس پروفیسر نے طلباء کو یوں مخاطب کیا۔

"مزمز یاد یکھا تم نے بھلا اس علامت میں کوئی جنس بات ہے؟"

بہت سے مفاد تحلیل نفسی کو خارجی طور پر دیکھتے اور عموماً ان کی معلومات سرسری ہوتی ہیں ایسے معترضین کے جواب میں اس کے پاس صرف ایک ذہر بند تھا۔ جو لوگ سمجیدگی سے تنقید کرتے وہ انہیں قائل اعتنا سمجھتا۔ وہ ساتھی جو اس سے الگ ہو گئے تھے اور جنہوں نے تحلیل نفسی کے بعض نظریات کو رد کیا۔ بعض کو جتنی صورتہ دے کر اپنی طرف سے پیش کیا۔ ان کی تردید میں فرائڈ نے پوری قوت صرف کر دی۔ ان میں سے ایڈلر اور ڈانگ سب سے زیادہ قائل ذکر ہیں۔ وہ ان کے خلاف نئے نئے دلائل تلاش کرنے سے نہیں ہٹتا تھا۔ وہ ہر وقت ان کے خلاف مستعد رہتا اور اس نظریاتی جنگ میں اپنے شاگردوں کو بھی شامل کر لیا کرتا۔ خارجی مخالفین کے متعلق اس کا جود یہ تھا داخلی مخالفت میں اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ داخلی مخالفت بیرونی مخالفت اور حرمان کی نسبت زیادہ خطرناک تھی یا وہ اس بات سے مرعوب ہو گیا تھا کہ یہ نئے حریف اس کے بیرونی میں سب سے اعلیٰ مقام دیکھتے تھے بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ان لوگوں نے اپنے نئے خیالات کی تردید تحلیل نفسی کے آڑ میں شروع کی جس سے اندیشہ تھا کہ فرائڈ اور ان لوگوں کے نظریات گمراہ ہو جائیں گے اور یہ ممکن نہ ہے کہ تحلیل نفسی کا حقیقی نظریہ معلوم کیا جاسکے۔

فرائڈ نے کبھی تحلیل نفسی کی اہمیت کا کم اندازہ نہیں لگایا۔ یہ اس کے ذہن کی تخلیق تھی یہ اس کا بچہ تھا جس نے اس کے ذہن کے بطن سے جنم لیا۔ وہ جانتا تھا کہ آج تک انسان نے خود کو جاننے کے سلسلے میں جس قدر دریافتیں کی ہیں تحلیل نفسی سب سے زیادہ دور رس اور فیصلہ کن ہے۔ وہ

اسے اپنی موقوف امانت اور مقدس فرض سمجھتا تھا کہ اسے ہر قسم کی اولیٰ ملاہلوں سے منزہ اور صاف رکھے۔ وہ اپنے فرض کی ادا نیگی میں ان جھگ تھا اور ارادے کا پکا۔ فوائد کی طرح سخت اور تیز اور کبھی کبھی اس کی غرت کہینہ دوری کی سرحد سے جا ملتی تھی۔

اس کے رفقاء میں اینڈر، سٹیکل، ڈیمک اور ریک نے اس سے علیحدگی اختیار کی۔ ریک کا جدا ہو جانا سب سے زیادہ افسوسناک تھا۔ ریک میں برس تک فرائض کا مستند رہا۔ وہ اس مخصوص طبقے کا رکن تھا جس پر فرائض کو آخری دم تک احساں رہا۔ اس نے فرائض کو اس وقت چھوڑا جب اس کے مہلک مرض کی ابتدا ہو چکی تھی۔

یہ علیحدگی بعض بنیادی نظریات کے اختلاف کی وجہ سے تھی اور اس نے فرائض کی ذات اور تحلیل نفس کی نشوونما میں جو کچھ کیا اس پر برا اثر ڈالا۔ کافی ہنگامہ برپا ہوا سائنس دانوں کے علاوہ عام لوگ بھی ان اختلافات کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ تجربہ فلسفے کی تحریک کے دشمنوں نے ان موقعوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کا خیال تھا کہ اشتکار کے بعد یہ تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ہادی انظر میں تو یہ دکھائی دیتا تھا کہ یہ لوگ جو کل تک فرائض کے قریبی اور بھری دوست تھے اس کے مطلق انسانی یا بد نظری کی وجہ سے جدا ہو گئے ہیں یہ حقیقت کے بالکل برعکس تھا۔ حالانکہ فرائض کے وفادار ہی ذہن کافی تعداد میں تھے۔ انہیں نظر انداز کر دیا گیا اور چند "سرکش بیٹا" کے کہنے پر یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ سخت کیرا بد مزاج اور ظالم استاد تھا جو راسی ظروف پر سرافراز کرنے لگتا تھا۔ یہ الزامات لگلائے گئے۔ فرائض تو اقتدار سے اپنے تئیں دور رکھنا چاہتا تھا۔ اسے ہمیشہ کسی اپنے شخص کی تلاش رہی جس کے سپرد وہ تجربہ فلسفے کی تحریک کی قیادت کر دے۔ سب سے پہلے اس نے یہ کام اینڈر کے سپرد کیا۔ اس کے بعد ڈیمک کے اور پھر ریک کے ان کے چارے اختیار کرتے گئے۔ یہ فلسفی فرائض سے بار بار سرزد ہوتی رہی۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بادشاہ کو سب سے بڑا خطرہ اپنے ولی مہد سے ہوتا ہے فرائض کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ تجربہ فلسفے کے مستقبل کو قابل احساں ہاتھوں میں دے۔ اس لئے اس کی توجہ اس تاریخی حقیقت کی طرف نہ گئی۔ حالانکہ اسے صحیح تجربات بھی ہوئے۔ بہت سے انوکھے الجھاؤ آپس میں گڈمڈ ہو گئے اور صحیح نفسیاتی اور اک حاصل کرنے کے لئے کافی معاوضہ ادا کرنا پڑا۔

اس اختلاف اور غلطی کی ایک نفسیاتی وجہ بھی ہے۔ لاشعوری کاموں میں مسلسل مصروفیات بالکل ویسی ہی ہے جیسے کسی بچائی کی جس کے ذہن کو کبھی آرام کرنے کا موقع نہ ملے۔ ایسی حالت میں ایک تجزیہ کار کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ لاشعور کی تحقیقات کو اوجھڑا نہ چھوڑے بلکہ یہ دیکھے کہ اس کا تجزیہ نفس مکمل طور پر ہو گیا ہے۔ شروع میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ تجزیہ کار اپنا تجزیہ خود کرتے تھے۔ یہ عمل بہت دیرھا تھا اور ہر کسی کے لئے مفید بھی نہیں ہوتا تھا۔ صرف فرائضی مکمل طور سے تجزیہ نفس کر سکتا تھا۔ وہ اپنے رفیقوں کی اپنا تجزیہ آپ کرنے میں مدد بھی کرتا مشورہ دیتا لیکن خود ان کا تجزیہ کرنے سے انکار کر دیا کرتا۔ کیونکہ تجزیہ نفس کی دوران میں تجزیہ کرنے والا اپنی محبت یا نفرت تجزیہ کار پر منتقل کر دیتا ہے تجزیہ کرنے کی صورت میں اس تحریک کی ترقی کی راہ میں اور زیادہ رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں۔ فرائض کی حیثیت ایک باپ کی سی تھی اور ان سرکش بچوں کی یہ حرکات باپ کے خلاف بنیاد نفرت ناراضگی اور دیکھنے کے مظاہرے تھے۔ ان کے بعد نوجوانوں کی نئی پودا اور فرائض کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس لئے ان میں یہ بنیاد نہیں رونما ہوئی۔ ان کا نفسی تجزیہ کرنا قبول بھی کر لیا کرتا تھا۔

فرائض جب کسی میں اخلاص اور چٹنی و پاست داری کا فقدان دیکھتا تو اس کا رویہ ناقابل مصالحت ہو جاتا۔ وہ لوگ جو یقین اور بے یقینی کی درمیان حالت میں ہوتے وہ کبھی انہیں منہ نہ لگاتا۔ اس سے بڑھ کر ان لوگوں سے وہ دور رہتا جو دشمنوں کی دشمن یا دوستوں کی ناراضگی سے خائف ہو کر صداقت سے منہ موڑ لیا کرتے جہاں اُسے اخلاقی جرات کی کمی نظر آتی اُس کے ردِ عمل میں نہ صرف سرزنش ہوتی بلکہ وہ انہیں حقارت سے دیکھتا۔ اس حقارت کے خلاف کوئی اہلی بے کار تھی کیونکہ اس کی خاموشی کا دائم الفاظ کی طاقت سے زیادہ تلخ تھا۔ جب کسی سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی تو پھر تعلقات کا باقی رہتا لیکن ہو جاتا۔ اگر اس کا رشتہ ایک بار کسی سے ٹوٹا پھر کبھی استوار نہ ہو سکا۔ اُس کے کسی رفیق یا ساتھ پر اگر کوئی نازک وقت آ جاتا تو وہ اس کی امداد میں کوئی دریغ نہ کرتا لیکن مصالحت کے لئے وہ کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔

۷

فرائض کی شہرت سے کون الٹا کر سکتا ہے۔ لیکن خود فرائض اس شہرت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اس کا نام روشن ہوتا گیا۔ وہ اور زیادہ اپنے کام میں کھو گیا۔ اُسے ایسی جگہوں میں جانے سے کبھی سر نہ ہوتی۔ جہاں اس کے نام کا دور شروع ہو جاتا۔ ایک بار کسی قافلے سے کسی نے پوچھا کہ ”کیا آپ فخر محسوس نہیں کرتے کہ آپ سے ملنے کے لئے اس قدر لوگ آتے ہیں۔“ اس کے جواب میں وہ کہنے لگا۔ ”اگر مجھے چاہیے تو اس سے تین گنا زیادہ لوگ مجھے دیکھنے آتے۔“ یہی مثال فرائض اپنے مطلق بیان کیا کرتا۔

فرائض کی عظمت سے کون الٹا کر سکتا ہے اور اس عظمت کا باعث اس کی ذات کے ساتھ اس کا کام بھی تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک پراسرار طاقت ضرور تھی۔ اور یہ طاقت ہر جنس کا خاصہ ہوتی ہے۔ سائنسدانوں کی تحقیقات شروع کرنے سے قبل بھی اس کی ذات میں اس طاقت کے آثار ملتے ہیں۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات میں کوئی غیر معمولی شے تھی جس سے جنس نے جنم لیا۔ اور وہ مرہر اس میں باہر گر رہی۔ ایک جرمن شاعر کے قول کے مطابق ”اس کا کام اس کی ذات کا صرف ایک حصہ تھا۔ اس کی ذات کا کام سے بہت زیادہ ارفع و بلند تھی۔“

فرائض نے ابھی تجربہ نفس کی ابتدا کی تھی کہ ایک دن ایک مریض اس کے پاس مشورے کے لئے آیا۔ باتوں باتوں میں اس نے فرائض سے پوچھا کہ ”جب بچوں کو روئی اور کیک دیا جاتا تو بعض بچے پہلے کیک کھاتے ہیں اور بعض پہلے روئی۔ بھلا تاہم کہ میں پہلے کیا کھاتا ہوں“ فرائض نے جواب دیا۔ ”روئی“ یہ وہ جدائی بصیرت تھی جو اس کے اندر پہلے سے ہی موجود تھی۔ اب تو تجزیہ نفس کا برہم طلب علم جانتا ہے کہ تو جاتی نورس کے مریضوں پر ایک حالت ایسی بھی ہوتی ہے جب وہ ہر قسم کی مسرت کو انکسار میں ڈالتے ہیں۔ اس واقعے کے برسوں بعد فرائض اس خاص حالت

پر تحقیقات کر سکا۔ جو بات اس نے پہلے ہی کہہ دی تھی۔

بہت سے باہرین نفسیات ایسے گزرے ہیں جنہیں وجدانی طور پر قدرت کی طرف سے بعض صفات و دیعت کی گئی تھیں۔ ان پر بعض صدائقوں کا انکشاف بھی ہوا۔ لیکن وہ اس کے بعد رک گئے۔ انہوں نے یہ بھی کافی جانا کہ وہ ان نعمتوں سے سرفراز ہوئے ہیں لیکن ان انکشافات کو پرکھنا کریدنا تحقیقات کرنا اور اپنی ان ساری کادشوں کو حقیقت کے ترازو میں تول کر انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ان سائنٹیفک نظریات میں داخل جائے بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو رکائوں (Inhibition) سے آزاد ہو اور اتنی مضبوط ہو کہ وہ وجدان کی رو پر اس وقت قابو پائے جب اس کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہو۔ ایسے میں ذہنی طاقتوں میں توازن قائم رہ سکتا ہے۔ یہ وہ اساس ہے جس پر حقیقی معنوں میں کسی معافی کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

فرائذ کی ذات میں یہ متوازن ذہنی طاقتیں موجود تھیں۔ لاشعور کے مسئلے پر اس سے قبل بھی لوگوں کی تحریروں میں اشارے ملتے ہیں لیکن کسی نے اس پر تحقیقات نہیں کی۔ جب فرائذ پر اس مسئلے کا انکشاف ہوا تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے اندر ایک دھجوان طبع موجود تھا۔ جس نے نظریات بنانے شروع کر دیے اور آہستہ آہستہ ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی۔

فرائذ کے خیالات کی رو جس راستے اور پگھڑی سے بھی گزری ہے اس میں دہراپن (Dualism) پایا جاتا ہے۔ تجزیہ نفس کی تحریک کی ابتدائی حالت میں فرائذ اور بروئیر کے نظریات میں اختلاف ہے۔ بروئیر کے نزدیک مسویا کا باعث عضویاتی تھا لیکن فرائذ کے نزدیک نفسیاتی یہی وہ دہراپن تھا جس سے تجزیہ نفس نے جنم لیا اور سب سے پہلے جنسی دباؤ (Repression) سامنے آیا۔ یہ علامت تجزیہ نفس میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ دو مخالف قوتوں کے درمیان کشاکش کا نتیجہ ہے۔

دہراپن کا نظریہ بڑھتا بڑھتا زندگی پر حاوی ہو گیا ہے۔ اس کی ابتدا بعض رجحانات کی آپس میں کشاکش سے ہوئی تھی اور بالآخر تحقیقات یہاں تک پہنچی کہ فرائذ نے دیکھ کر عضویاتی زندگی کے ہر اظہار میں جبلت حیات (Life Instwiteros) اور موت کی جبلت کے درمیان ایک مسلسل کشاکش رہتی ہے۔ ایک طرف زندگی اپنی نظر فرجیوں سے کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اور دوسری

طرف موت اپنی خاموش نظروں سے پوشیدہ ہے چناں تو قوتوں کے ساتھ زندگی کے مد مقابل کھڑی ہے۔ ان دونوں جہتوں کا میدان کارزار انسانی ذہن ہے۔ دونوں حریف مد مقابل کو بچاؤنے کے لئے نت نئے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ فرائڈ کی عمر بھر کی تحقیقات میں یہی مسئلہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اس مسئلے کو سائنٹیفک طریق سے پرکھا ہے۔ وہ ساری روایات جو توحید والبشر قوتوں سے متعلق تھیں اور وجدانی خصوصیات جن کا وہ حامل تھا۔ جب تک سائنس کی کسوٹی پر پرکھی نہ گئیں اس نے انہیں درخور اعتناء سمجھا۔ اس نے اوراک کی شمع سے راستہ دیکھا اس کی لو آکر چمکا جیتی رہی لیکن اس نے کبھی اس کی پروا نہ کی کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اتنی وسیع کائنات ابھی تک تاریکی میں ہے۔ اس لئے وہ ای کو لئے آگے بڑھتا گیا۔ ”جہتوں کا ہمہ گیر نقطہ“ اس کی توجہ کا مرکز بنا۔ لیکن دنیا کو اس نقطہ کے بجائے صرف اس کی چند سریریں سننے کی اجازت تھی۔ اس نے اس کے خلاف پر زور احتجاج کیا۔ ”تہذیب ایک عالمگیر مسرت کی منزل کی طرف جا رہی ہے۔“ یہ ایک بہت بڑا قریب نظر ہے فرائڈ اس سے متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے نہایت بے دردی سے اس کا پردہ چاک کیا اور بتایا کہ وہ بات جو ترقی کے راستے پر گامزن ہوتی ہے۔ جلد یا بدیر برائی کے چکر (Vicious Circle) پر ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر شہوانی خواہشات ہیں جن پر ہماری تہذیب نے کڑی بند نہیں لگا رکھی ہیں جھگڑو پانہد عجائبات کو توڑا سرور اجاتا ہے۔ لیکن تہذیب کے بھا اور اس کی وسعت کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ انسانی ذہن میں اس کے خلاف بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے اور ہلا فرغ و تہذیب اپنے ہاتھوں آپ خود کشی کر لیتی ہے۔ تہذیب ہمارے اندر مقسب بن کر ضمیر کے روپ میں جاگزین ہے۔

فرائڈ نے ذہنی زندگی میں باپ بیٹے کی کشش کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کی شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ فرائڈ نے خود اپنے خواب اور باپ سے تعلقات کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے جہاں باپ کے متعلق محبت اور بغاوت چار حانہ اور مدافعتانہ جذبات کا کافی ذکر ہے۔ باپ کی وفات پر فرائڈ نے حقیقی محبت اور ذہنی رنج کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس نے باپ بیٹے کی کشش کے بارے میں بھی کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میں ابھی سات آٹھ برس کا تھا جب میرے باپ نے ایک بار میرے متعلق کہا کہ یہ لڑکا کسی کام کا نہیں ہو گا۔ یہ میری اتناؤں کو بری طرح کھلنا تھا۔ چنانچہ اس منظر کے اشارے بار بار میرے خوابوں میں

آیا کئے ہیں اور ان کے ساتھ خود میری دریافتیں اور کامیابیاں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ گویا میں خواب میں باپ کو جواب دیتا ہوں کہ بڑے میاں دیکھا آپ نے میں کسی کام کا آخر ہو ہی گیا۔“

فرانڈ کا باپ کا رو بار کرتا تھا۔ لیکن اس میں یہودیوں کی کاروباری قابلیت نہ تھی۔ وہ عمر بھر مظلوم الحال رہا۔ اس کے خاندان کو ایک ایسے علاقے میں اقامت گزریں ہونا پڑا جہاں ادنیٰ متوسط درجہ کے یہودی رہتے تھے۔ فرانڈ لڑکپن میں بہت ذہین تھا اس لئے اس کے باپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے ہونہار بچے کو اعلیٰ تعلیم دلانے لیکن وہ اپنے خیالات سے مجبور تھا۔ فرانڈ چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹری کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر بروک کی لہارٹری میں ساری عمر تحقیقاتی کام کے لئے وقف کر دے لیکن حالات سے مجبور ہو کر اسے یہ عزم ترک کرنا پڑا۔ اس کا باپ اس قابل نہ تھا کہ وہ مزید اخراجات کا نفل ہو سکے بلکہ ضرورت تو یہ تھی کہ فرانڈ خود کائے فرانڈ کی تحریرات میں اس کا ذکر بھی آتا ہے کہ کاش اس کا باپ صاحب اقتدار اور کامیاب انسان ہوتا۔ اس سلسلے میں فرانڈ کی ایک بچپن کی یاد بہت دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میری عمر کوئی دس بارہ برس کی ہوگی کہ میرے والد چہل قدمی کرنے جاتے تو مجھے ہمراہ لے لیتے۔ راستے میں باتوں باتوں میں وہ مجھے دنیا کے بارے میں اپنی رائے بتایا کرتے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جب میں پیدا ہوا تھا اس تو وقت ان کی خانگی حالات زیادہ بہتر تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا۔“ جب ابھی میں نو جوان تھا تو میں ایک دن سیر کے لئے گیا۔ میرا لباس کافی اچھا تھا اور میرے سر پر نئی سموری ٹوپی تھی۔ اسنے میں ایک ”ٹانگ“ میرے سامنے آیا اور میری ٹوپی زمین پر گرنا مجھ سے مخاطب ہوا۔

”ارے یہودی! میرا راست چھوڑ۔“ اور یہ سن کر میں نے بوجھا۔ ”ابا آپ نے کیا کیا؟“ میں ایک طرف ہو گیا ٹوپی اٹھائی اور چل دیا۔ اس نے نہایت عنایت سے جواب دیا۔ مجھے یہ بات بری لگی۔ حالانکہ وہ شخص جو میرا ہاتھ تھا سے جا رہا تھا۔ دیکھنے میں کافی مضبوط اور بڑا مضبوط ہوتا تھا۔ ایک اور جگہ وہ اسی موضوع پر یوں لکھتا ہے۔

”اتحاد و روزگار کا سفر کرنا اور زندگی میں اتنا بلند مقام حاصل کر لینا۔ ایک زمانہ تھا جب مجھے یہ سب کچھ ناممکن نظر آتا تھا۔ اس کا باعث ہمارے حالات کی ناسازگاری اور تنگدستی تھی۔ یہ باتیں بچے کی تنہید سے تعلق رکھتی ہیں مجبورہ باپ پر کرتا تھا۔ بچپن میں ہر بات کی قدر قیمت میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن میرے حالات میں اس کی جگہ کسی نے لے لی اور میں اس قدر

قیمت کا اندازہ ہم ہو گیا۔“

اپنے باپ کی جانب فرائڈ کے رویے میں محبت اور نفرت کے جذبات کا اظہار ہے اُسے باپ سے محبت بھی تھی اور نفرت بھی۔ کیونکہ اس کا باپ اتحاد طاقتور نہیں تھا۔ جتنا وہ خیال کرتا تھا اور جو بکھاس نے فرائڈ کے متعلق کہا تھا کہ وہ کوئی کام نہیں کرے گا فرائڈ نے ثابت کر دیا کہ وہ دنیا میں بہت کام کر سکتا تھا۔ اس دو کو نہ کشش کا حل فرائڈ کی شخصیت میں نیا پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک طرف سست تقاضا اور شدید تقاضا دونوں ہی ہے اور دوسری طرف باپ کی عزت و احترام کا جذبہ چٹا نچان کے درمیان جو کشش ہوتی تھی۔ فرائڈ نے اس کا حل تلاش کر لیا تھا اور یہ حل ہی اس کی شخصیت کے نئے پتھر کی حیثیت رکھتا تھا۔ فرائڈ کی محبت باپ پر مرکوز تھی۔ باپ کی موت کے بعد یہ جذبہ خصوصیت سے شدید ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے باپ کی جگہ اپنے پیچھے کو دے دی جو اس سے بڑا تھا۔ جب ڈینی دباؤ دور کیا گیا تو جس قدر ذاتی حیرت و لا شعور میں موجود تھے ان کی ارتقا کی صورت دے دی گئی اور یہ صورت اس بالواسطہ طریق سے دیا ہوا چار حادہ رجحان دوسری صورت اختیار کر گیا۔ اس نے تجزیہ کر لیا کہ کبھی کسی پر اعتماد نہیں کرے گا۔ اُسے باپ پر اعتماد تھا مگر مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اس کا اعتماد جاتا رہا۔ اس تجزیہ میں جیزی تھلی اور خدا آگئی۔ اس کی طبیعت کی ان صفات کو محض حادثہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کے لا شعور نے اس کی زندگی کی اسی طرح تشکیل کر دی تھی۔ بچپن میں وہ جن حالات میں تھا وہی حالات بڑی عمر میں بھی موجود تھے۔ اب باپ کی جگہ اس کے ہم عصر تھے۔ جب اس نے تجزیہ نفس شروع کیا تو وہ بار بار کہتے رہے کہ ”یہ نوجوان کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔“ اور بالآخر وہ کامیاب ہوا اور اس نے ثابت کر دیا کہ یہ سب لوگ جو کچھ کہتے تھے وہ غلط تھا۔

اگر کوئی شخص کسی بات کو منوانے یا ثابت کرنے کے لئے کسی بڑے آدمی کا نام لے دیتا تو فرائڈ بھی اُسے قبول نہ کرتا۔ اس کے نزدیک ایسا کرنا ذاتی تسامح، بزدلی اور بطیر کسی رحمت کے کسی بات کا فیصلہ چاہنے کے مترادف تھا جسے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

فرائڈ کہا کرتا تھا کہ ہر شخص کو عدم یقین کا کچھ حصہ برداشت کرنے کی عادت دلانی چاہئے یہ ہے بھی درست کیونکہ ہر شخص کے نتائج میں کسی نہ کسی مدد تک شبہ کی گنجائش ہوتی رہتی ہے۔ ایک شخص دان جو آزادانہ طور پر ٹھکر کرتا ہے اُسے اپنی مجبور یوں کا احساس ہونا چاہئے اور جب وہ اچھی

تو تمہیں تمہیں۔ جن کی روشنی میں اس نے "کیوں" کا جواب دیا ہے۔ یہ "کیوں" ایک ایسا سوال ہے جس کا حل ابھی تک شذہب چٹس کر سکا ہے نہ فلسفہ اور نہ سائنس۔ یہ سوال دروازہ اولیٰ سے ذہن انسانی پر بری طرح مسلط ہے ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں اور ہمیں کیوں یہاں سے جانا ہوگا؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر اس کا مقصد مسرت ہے تو پھر وہ ہمیں میسر نہیں آتی ہے۔ جب ہم جان چکے ہیں کہ خوشی ہمارے بس کی بات نہیں اور خوشی کا وجود بھی متنازعہ فیہ ہے تو پھر کیوں اس دنیا سے نابود نہیں ہو جاتے؟

فرائڈ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انسان کی جتنی بھی تکلیفیں ہیں اُن سے مسرت کو بکڑا نہیں جاسکتا۔ اس نے ان ٹھیکوں کو بغور دیکھا اور انہیں ناقص پایا۔ کہا جاتا ہے کہ زندگی کے معنی انسانیت سے محبت کے ہیں لیکن فرائڈ کو اس جان سے اختلاف ہے وہ کہتا ہے کہ "میری محبت اس قدر عزیز ہے کہ میں اسے غیر ذمہ دارانہ طور پر پرے نہیں پیٹ سکتا۔" امید کتنی ہے کہ سائنس اور زمانے کی ترقی مل کر مسرت کے خازن دار راستے کو صاف کر دے گی اور پھر انسان مسرت کی دیوبلی کو حاصل کر سکے گا۔ لیکن اس کا یہ خیال نہیں۔ وہ تو کہتا ہے کہ تہذیب کی کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو تعزیمی اکساہٹ اس کے ضمیر میں موجود رہتی ہے اور زندگی کے دیوتا (Eros) کی ساری کوششیں موت کی جہالت کو مٹا نہیں سکتیں۔

اُس کی عمر کے آخری ایام بیماری میں گزرے دکھ درد اور ضعف اُسے گھیرے رہے موت کا سایہ اُس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اب اُسے نہ اپنے لئے کسی انعام کی توقع تھی اور نہ اُن کے لئے جن سے وہ محبت کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ میرا کام کئے جا رہا تھا۔

۸

ہم راز اور محنتِ ساتھی کی تلاش ہر انسان کو ہوتی ہے۔ فرانک نے انسانی فطرت اور ذہن کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے گرد کافی لوگ جمع ہونے لگے تھے اُن میں سے بہت سے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑا۔ اس کا مدد سوائے ایک عام دوستی کے نوٹ جانے سے بہر حال زیادہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ تعلق قطع کرنے والوں کے اذہان کے پس پردہ اُن ساری باتوں سے آشنا تھا۔ جن کی وجہ سے سب کچھ ہوا۔ بلاخر اس نے اپنے ساتھیوں میں سے چھ کو منتخب کر لیا اور یوں ایک حلقہ قائم ہو گیا جس کی حیثیت ایک خفیہ جماعت کی تھی جسی اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ تجزیہ نفس کے سلسلے میں ہر کدومہ جو چاہتا تھا نیا نظریہ پیش کر دیا کرتا تھا۔ اب سے یہ حلقہ ہی صرف اس سلسلے میں باقاعدہ تحقیقات کر کے نظریات قائم کرنے کا مجاز ہوگا۔ وہی اس تحریک کو وسعت دینے کی تہا بڑے سوچے گا۔ اور ان پر عمل کرے گا اس حلقے میں اور کسی ممبر کے افسانے کی منجائش نہ رکھی گئی۔ اس حلقے کی تشکیل 1920ء میں بیک کے مقام پر کی گئی۔

اس حلقے کے اراکین مختلف مقامات پر رہتے تھے۔ فرانک اور ریک وی آکا میں ابراہم، ایشکن اور ٹس برلن میں، فرانسی بوڈاپست (ہنگری) میں اور جوئز لندن میں۔ ان سب کا تعلق خط و کتابت کے سلسلہ سے قائم تھا۔ خط و کتابت کے ذریعے یہ لوگ آپس میں اس خفیہ جماعت کی کارروائیوں سے آگاہ رہتے۔ تجزیہ نفس کی تحریک کے سلسلے میں جو کچھ بالمشافہ ہونا تھا وہ اب تحریراً ہونے لگا۔ اور پھر جب کبھی سب کا اکٹھے ہو کر کسی اجلاس میں شامل ہونا ضروری ہوتا ایسا بھی کر لیا جاتا۔ اس حلقہ کے اس کا دوبار کا سلسلہ پانچ برس برابر چلتا رہا۔ چنانچہ اس تحریک کے یہ پانچ برس 1920-25ء بہت پر سکون گزرے۔ پھر ایک حادثہ رونما ہوا۔ ریک نے جس پر فرانک کو بہت زیادہ احماد تھا۔ ایک نیا نظریہ پیش کر دیا۔ اس

کاسب کو رنج ہوا۔ انہوں نے کڑی تنقید بھی کی۔ فرانڈ کا رد یہ ابتدا میں مصالحتاً نہ رہا۔ لیکن اس سے چنداں فائدہ نہ ہوا اور رینک اور تجزیہ نفس کے نظریات میں بعد ہوتا گیا۔ اسی دوران میں فرانڈ کا نامکمل اپریشن ہوا اور اس کے حالت تشویشناک ہو گئی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک سال سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے۔ رینک وی آئنا سے تہلیل وطن کر کے پیرس چلا گیا۔ ابراہم کی بے وقت موت نے حلقہ کی ایک اور کڑی کم کر دی۔ اس کے بعد کوشش کے باوجود خط و کتابت کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

اُس کے منہ کی بیماری (Carcinoma) پھر عود کر آتی۔ اس سے اس خریک کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اس کے رفتہ پر اس بیماری کا اثر ہوا۔ ایک ایسا شخص جو موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اُس سے باتیں کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کا ذہن اس قدر بیدار اور صبر ست تھا کہ وہ باتیں کرتا۔ اُسے اپنے آخری وقت کی آمد محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ ہراساں نہ تھا۔ اس کی دینی قوتیں برقرار تھیں اور اس کی نئے علم کی تلاش برابر جاری تھی۔ گویا اس پر بیماری کا کوئی اثر ہی نہ تھا۔ یہ عرصہ کوئی معمولی نہ تھا بلکہ وہ دس برس کرب و بلا میں جتنا رہا اور تجزیہ نفس کی تحقیقات کرتا گیا۔

ستر برس کی عمر تک وہ خوب توانا رہا۔ عمر نے اُس کی صحت پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس لحاظ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آخری دم تک اسی طرح صبر ست رہے گا اور کافی طویل عمر پائے گا بے جا نہ تھا۔ پھر اس کی ماں جو اس سے بیس برس بڑی تھی اُس کی سترویں سالگرہ کے موقع پر زندہ تھی اور اس کے بعد وہ تین برس اور زندہ رہی۔ موت سے ایک برس پہلے وہ بالکل اچھی بھلی تھی اور اس میں کام کرنے کی طاقت بھی موجود تھی۔ چنانچہ جس صبح فرانڈ کی سترویں سالگرہ منائی جانی تھی اس سے پہلے رات فرانڈ اس خیال سے ماں کو ملنے گیا کہ مبادا وہ خود آنے کی زحمت گوارا نہ کر سکے۔ لیکن دوسرے دن صبح صبح میں نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ اس کی ماں تھی۔

سالگرہ منانے کے سلسلے میں وہ شان و شوکت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کا قائل نہ تھا بلکہ نہایت خاموشی اور بے تکلفی سے اس تقریب کو گزرتا رہتا پسند کرتا۔ اس سترویں سالگرہ کے موقع پر اُس کے رفتہ بڑی تیاریاں کر رہے تھے لیکن اسی سال ڈاکٹر کارل ابراہم کی خطیہ حلقہ کارکن اور فرانڈ کا محبوب شاگرد تھا، بے وقت موت واقع ہوئی۔ فرانڈ نے یہ کہہ کر تیاریاں رکوا دیں کہ ”جب گھر میں

میت رکھی ہو کوئی شادیانے نہیں بھاتا۔“

فرائڈ کو کھنگی ویک بن کر چاٹ رہی تھی۔ وہ گھٹا جا رہا تھا اور اس کی شہرت ناموری اور عزت برحق چارہائی تھی دنیا کے لوگ اس مقام سے واقف ہو کر اسے خراج تحسین پیش کرنے آتے۔ اس کی دریافتوں نے انسانوں کو بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔ فنی انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ انسانیت کے بعد وہ اپنے محسن کو پہچان رہے تھے۔ لیکن دوسری جانب دکھاوہ اور اس بوڑھے انسان کو ان بلند یوں سے جہاں وہ پہنچ چکا تھا دور لئے جا رہے تھے۔ وہ بوڑھا دنیا سے درد ایک گوشے میں دوسہتا اور کام کئے جاتا۔ وہ اس بات سے بے نیاز تھا کہ موت رینگتی ہوئی اس کی جانب بڑھتی آ رہی ہے۔

فرائڈ کو حیدر پھول بہت پسند تھے۔ یہ پھول عام مل جاتے تھے۔ لیکن اس کی بیگم نے سانوں کی محنت اور محبت سے اپنے ہاں کیا ریاں بنائیں اور ان میں پھول اُگائے۔ چنانچہ سارا گھر انہیں پھولوں سے بھرا رہتا۔ جس کمرے میں چاہیے یہ پھول گلدانوں کی زینت ہوتے آہستہ آہستہ فرائڈ کی توجہ ان کی طرف سے بھی ہٹتی گئی اور دو تین دنوں کے بعد یہ پھول پھینک دیے جاتے۔ یہی حال اس کی شہرت کا تھا جو بہت دیر بعد اُسے میسر آئی۔ اگر چہ اب وہ اس قدر فراواں تھی لیکن فرائڈ اس سے بے نیاز تھا۔

دنیا کو فرائڈ کا احساس ہو گیا اور اتنا زیادہ ہوا کہ اس نام ور دندان رہنے لگا۔ ہر نئی تحریر میں اس کا ذکر آتا طبعی محاسن میں تذکرے ہوتے اور اس دور کے دوسرے مفکرین نے اس کی جانب دوستی اور تعلقات کا ہاتھ بڑھایا۔ ان میں آئن سٹائن، ٹامس مان (نورمن ادیب) اور رودین رولان (فرانسیسی ادیب) کے علاوہ اور بھی نامور ہستیاں تھیں۔ سب سے زیادہ کامل ذکر یونان کی شہزادی میری یونا پارٹ تھی۔ لیکن یہ وہ زمانہ ہے جب وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔

مذہ کی تکلیف کا علاج اپریشن ہی تھا۔ چنانچہ پہلا اپریشن اس کے ایک ہم جماعت پروفیسر نے کیا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد ماہرین ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ جڑے کی ہڈی کا کچھ حصہ نکال دیا جائے اور مصنوعی جڑے (Prosthesis) کے ذریعے کھانا اور پلانا ممکن ہو سکے گا۔ وی آئن کا کے مشہور ڈاکٹر ہیکل نے علاج شروع کیا اور وہ فرائڈ کی عمر کو چند برس بڑھانے

میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے باوجود ہانے سے مسلسل درد ہوتا رہتا۔ جسے فرائڈ نہایت اہمیت سے برداشت کرتا۔ ایک بات ضرور تکلیف دہ تھی نہ کہ گھٹکو کرتے وقت الفاظ پوری طرح ادا نہ ہوتے تھے اس سے سننے والوں کے سمجھنے میں غلطی ہوتی۔ اس کا احساس فرائڈ کو پوری طرح تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اپنے خاندان کے افراد کے علاوہ وہ صرف چند مخصوص لوگوں سے ملاقات کیا کرتا۔ کسی سامنے کھانا کھانے میں وہ ہنگامہٹ محسوس کرتا۔ کیونکہ چیزے کی وجہ سے وہ اچھی طرح کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔

اس کی بیماری کو مد نظر رکھ کر تحلیل نفسی کی مجالس اس کے پاس ہونے لگیں۔ عموماً مینے مینے کے وقفے سے ہوتی جن میں اراکین کو باری باری دعوت دی جاتی۔ ان مجالس میں خاص خاص اعلیٰ پائے کے مضامین پیش کئے جاتے اور ان پر فرائڈ کا تبصرہ ان مجالس کی جان ہوتا ایک مجلس میں کسی رکن نے اعلیٰ پایہ کا ایک مقالہ پڑھا جو فرائڈ کو بہت پسند آیا چنانچہ اس نے تعریف کی اور حاضرین کی توجہ ایک تصویر کی طرف دلائی جو آسٹریا کے مشہور مصور مودرن نے تیار کی تھی۔ اس تصویر کا خیال ایک حکایت پر مبنی تھا جو یوں تھی کہ ”شیطان نے ایک خدا رسیدہ بزرگ سے مساجد، کیا کہ وہ گر جانا نے کے لئے سارے پتھر مینا کر کے گاچا نیچے تصویر میں دکھایا گیا تھا کہ شیطان بڑی بڑی چٹانیں اٹھا رہا ہے بزرگ لہاؤہ پہنے و در کھڑا بڑی شان سے دعا مانگ رہا ہے یہی حال میرا ہے۔“ فرائڈ نے کہا۔ ”میں نے پہاڑوں کو کھودا ان میں سے اچھے اچھے کارآمد پتھر نکالے انہیں کندھوں پر لاداد اور اب اس سے ایک عمارت کی شکل نمودار ہونے لگی ہے۔ یہ کام بہت سخت تھا۔ بہر حال برا بھلا جو ہو سکا میں نے کیا۔ اب یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ آپ اس عمارت کو خوبصورت بنانے کے لئے جو رنگ روغن پسند کریں۔ اس سے اسے مزین کریں۔“

یہ تقریبی الفاظ اس مصنف کے لئے باعث افتخار تھے لیکن ان الفاظ کے پس پردہ کتنی طرحی زندگی کے آخری ایام میں فرائڈ میں ایک اور نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے تعلقات انسانوں سے کم ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی جگہ کتوں نے لے لی۔ وہ عمر بھر بھی کتے کا زیادہ شوقین نہ تھا۔ ہاں وہ ایک کتے کا ساتھ بار بار بیان کیا کرتا تھا۔ اس کے ایک مریض کا چینی نسل کا کتا تجزیہ

فلس کے درمیان کمرے میں آ جایا کرتا تھا۔ فرائڈ اس کی ذہانت کا بہت حائل ہو گیا۔ جونہی کتاب اور مریض کمرے میں داخل ہوتے۔ کتاب ایک خاص جگہ پر جا کر بیٹھ جاتا۔ گھنٹہ بھر جب تک تجزیہ فلس کا عمل جاری رہتا کتاب وہیں بیٹھا رہتا۔ کیا حال کس عرصہ میں اس کے منہ سے کوئی آواز بھی نکلے۔ جونہی وقت ختم ہونے کو آتا کتاب اپنی جگہ سے اٹھتا اور آقا کے قریب آ کر اُسے یوں دیکھنے لگتا جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ بس کبھی اب کافی ہو چکا اُٹھنے پھریں۔

فرائڈ کی بنی اتنا کتابوں سے پیار کرتی تھی۔ اس کے پاس اپنا ایک البیٹن (Alcation) نسل کا بوا کتاب تھا۔ یہ کتاب اگرچہ بہت خوبصورت تھا لیکن کافی بڑا تھا اور شور بھی مچاتا تھا۔ فرائڈ بجائے اس کے اس شور سے تنگ آتا اس کتے سے مانوس ہو گیا اور اس کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا۔ اسی دوران میں یونان کی شہزادی میری (جو پولین کے بھائی لوتین کی پوتی تھی) اس کے شاگردوں کے حلقے میں شامل ہو گئی وہ حقیقات کے سلسلے میں بہت اچھا کام کر رہی تھی اور اُسے اکثر فرائڈ کے ہاں آنا جانا پڑتا۔ اس نے بھی اس چھٹی نسل کے کتے کی کہانی (جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) سنی۔ اُسے خود بھی اسی نسل کے کتابوں سے پیار تھا اور اس نے فرائڈ کو اسی نسل کا ایک کتاب بطور تحفہ دیا۔ یہ کتاب شہزادی کا اپنا تھا اور سارے ”شاہی آداب“ سے واقف تھا۔ فرائڈ کو یہ کتاب بہت محبوب ہو گیا۔ جب اس کی نسل پھیلی اور پلے پیدا ہوئے تو وہ یوں دکھائی دیتے جیسے دھماکے کے اُلجھے ہوئے کچھ ہوں۔ فرائڈ انہیں پیار کیا کرتا۔ اب تو یہ اس کے ساتھی بن گئے اور ان کے بغیر فرائڈ کبھی اکیلا نہ رہتا۔ گھنگو کے دوران میں یا اُسے کتنا ہی درد کیوں نہ ہو رہا ہو وہ کتابوں سے توجہ نہ دیتا۔ انہیں دیکھنا ان کے راج کا خیال کتا اور پہلے وہ جہاں اپنی انگشتری سے کھیلتا کرتا تھا اب ان کتابوں سے کھیلنے لگا۔

عمر کا کارواں چلا جا رہا تھا۔ ہر نئی منزل اس کے دکھ درد میں اضافہ کا موجب بنتی اور آخری منزل قریب تر آ رہی تھی۔ اس کے اعزاء و اقارب ہر ممکن کوشش کرتے کہ اُسے آرام پہنچا سکیں۔ انہوں نے خدمت گذاری میں کوئی کسر نہ اٹھائی۔ لیکن عمر پر کسے اختیار! ان ساری تکالیف کے باوجود فرائڈ کے اندر جس چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ وہ اس کا کام تھا۔ وہ برابر سننے سننے خیالات اور نظریات کی جستجو میں لگا رہتا۔ اُسے حق و صداقت کی تلاش تھی اور وہ حقیقت اور شائبہ اصلیت میں امتیاز کر رہا تھا۔

آخری ایام میں اس نے حضرت موسیٰ پر ایک تحقیقاتی کتاب لکھی جس کا نام "موسیٰ اور وحدت پرستی" (Moses & Monotheism) ہے۔ یہ کتاب 1936ء میں لکھی جا رہی تھی۔ یہ اس کی عمر اسی واں سال تھا۔ اس زمانے میں اس کی شہرت کا اعتراف دنیا جہاں کے "نمائندہ لوگوں" نے کر لیا تھا جن میں بڑے بڑے سائنس دان ادباء مصنفین اور فن کار شامل تھے۔

دو برس بعد اُسے وہی آنکا کو چھوڑنا پڑا۔ ایک جلاوطن کی حیثیت سے اس نے اس شہر کو خیر باد کہا جہاں اس نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی اور جہاں اس نے کام ختم بھی کر دیا۔ یہ حادثہ عظیم تھا لیکن جب یہ واقعہ ہوا تو فرانڈ کو نہ پریشانی ہوئی نہ حیرت!۔

9

تاریخ طوفان نامکھانی بلا کی طرح اٹھا اور آسڑیا پر چھا گیا۔ بظہر کے لشکر نے چڑھائی کی اور ساری دنیا دیکھتی رہی۔ اس بلائے عظیم نے وہ ساری بندشیں توڑ پھینکیں جو ایک مہذب قوم روا رکھتی ہے۔ وہ میں اور طوفان کی طرح پھنکارتے ہو جتے گئے۔ وہشت ہندی نازیوں کا خاصہ تھا اس کا خوب خوب مظاہرہ کیا گیا۔ جرمنی میں جو مظالم ان لوگوں نے پانچ برسوں میں کئے تھے۔ یہاں چند دنوں میں ان سے بڑھ کر مظالم ہونے لگے۔

آسڑیا پر حملہ ہونے سے قبل ہی فرائض حالات کی نزاکت سے باخبر تھا۔ کیونکہ برلن کے چوک میں اس کی تصانیف نذر آتش کی گئی تھیں اور اس کا نام نازیوں کے معتبہ میں کی صف اول میں تھا۔ فرائض کے علاوہ اور بہت سے مفکرین اور ادباء کی کتابیں جلائی گئیں۔ جب اس کی اطلاع فرائض تک پہنچی تو اس نے نہایت سکون اور تحمل سے اس خبر کو سنا اور بولا کہ "ان کا تو ہوا کہ جلتے میں مجھے میرے بہترین ساتھی سمیٹ آئے ہیں۔"

فرائض احباب اور رفیق اس خطرناک صورت حال سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ اسے کسی ایسے ملک میں جانے پر آمادہ کر لیں جہاں نازیوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ لیکن اس نے یہ پیش کش رد کر دی۔ وہ وی آٹا کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے حالات کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا اور پھر اپنے مخصوص انداز میں اس پر کار بند رہا۔ اس پر کسی قسم کے خوف کا اثر نہیں تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کی باتوں پر کان دھرتا اور افواہوں سے ہراساں ہوا کرتا وہ اپنے کام میں لگا رہا۔

بظہر کے طوفانی دستانے بہت بڑی سیوری سے یہودیوں کے گھروں کے اندر گھس آتے اور سفاکا نہ حرکتیں کرتے۔ یہودیوں کو لونٹے اور فریجوں کو ہٹاتے۔ قتل و غارت ان کا کھیل تھا اور لوٹ

کھسوٹ اُن کا جنگی کارنامہ۔ یہ لوگ انسانیت سوز افعال کے مرتکب ہو کر خود انسانیت کو شرمندہ کر رہے تھے۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔

اس دوران میں فرانڈ کی صحت پر بہت برا اثر ہوا۔ وہ بالکل بدل گیا اس کا جسم مر جھامکا آنکھیں اندر کو جھنس گئیں اور شخص ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا۔ اُسے نازیوں کا ڈر نہیں تھا بلکہ اپنی عمر بھر کی کمائی کے ضائع ہو جانے کا خوف تھا۔ اس نے انسان کو انسان کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے جھیلِ نفسی کو ارتقائی منازل سے گزرا۔ اب اس کی ساری صحت منہی میں مل رہی تھی۔ اُسے جرمن قوم پر نفوس بھی تھا کہ اُن کی اکثریت کو کیا ہو گیا تھا۔ جرمن ڈچن لوگ تھے۔ اُن کی ذہانت کیا ہوئی۔ وہ تو ذہانت استعداد اور قوت فیصلہ میں دنیا بھر میں نامور تھے۔ ایسے نازک حالات میں اس کی بذلہ آگئی ہاتی تھی۔ ایک دن اس نے ہاتوں ہاتوں میں کہا "شیکسپیر نے اپنے ڈرامہ (Mid- Summer Nights Dream) میں ایک عورت کو گدھے سے عشق کرتے دکھایا ہے۔ لوگ عموماً اس پر حیران ہوتے ہیں لیکن ذرا خیال تو کیجئے کہ ساڑھے چھ کروڑ انسان ایک..... اس نے ہاتھ کی حرکت سے فقرہ پورا کر دیا۔

جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو فرانڈ کے خاص دوستوں میں سے ایک ڈاکٹر اورسٹ جو ٹرنٹن سے اور یوٹاں کی شہر ادوی میری جیس سے دی آکسیجن ہے۔ ان کا ایسے حالات میں دی آکسیجن کا خود ایک خطرناک جراثیم تھی۔ دی آکسیجن سسز اور اسی برکت میں یوٹا رک سے آ کر فرانڈ کے پاس رہ رہی تھیں وہ بھی جو ٹرنٹن اور شہر ادوی میری کے ساتھ مل کر فرانڈ کی حفاظت کرنے لگیں۔ ان تینوں نے اپنے اپنے ملکوں کے سفیروں پر زور ڈالا کہ وہ فرانڈ کی حفاظت کے سلسلے میں ان کی امداد کریں۔ لیکن فرانڈ چونکا سڑیا کا باشعور تھا اس لئے وہ اس کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس کا خضر ہوا کہ ایک سفیر کی توجہ سے فرانڈ زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے محفوظ رہا۔

اس میرا زما دور میں فرانڈ تو برابر کام کرتا رہا اور اس کی بیوی اس کی حفاظت اور نگرانی میں مصروف رہی۔ اس عورت میں بھی قہل اور کام کرنے کی کافی قوت تھی۔ ایک دن طوفانی دھندے کے چند سپاہی ان کے اندر گھس آئے جیگر فرانڈ نے بڑی ہردیاری اور نرم لہجے میں ان کا استقبال کیا اور انہیں کرسیاں پیش کیں۔ یہ سب کچھ اس قدر پر غلوں طریق سے ہوا کہ نازی تلکے گھبرا گئے۔ کیونکہ ایسے دنوں کسی کا یوں خاطر تواضع سے پیش آنا غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ گھر کا سامان

بچ گیا۔ چاندی کے برتن اور دوسری قیمتی اشیاء مادی کمرے میں رکھی گئیں۔ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے گھر کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پانچ ہزار آسٹریائی شلنگ کا مطالبہ کیا۔ یہ نگر بیگم فرانز اپنے خاوند کے کمرے میں گھس گئیں۔ جہاں وہ بیٹھا کھڑا تھا اور اُسے صرف اتنا بتایا کہ باہر طوفانی دھندے کے سپاہی روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فرانز نے یہ سنا اور ذرا سر اوپر اڑھا کر بولا "مجھے تو آج تک کسی نے ایک بار جانے کی اتنی رقم نہیں دی" اور پھر کام میں لگ گیا۔ بیگم نے رقم ادا کر دی۔

اس کے تخلصین کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور حکومت انگلستان نے اُسے اپنے ہاں چلے آنے کی دعوت دی ضروری اجازت نامہ بھی مل گیا۔ لیکن پھر بھی نازیوں کے ہاتھ جو کچھ آیا انہوں نے ضبط کر لیا۔ فرانز کا پیشک ہاؤس۔ کیننگ اور دوسرے سارے ادارے جین لئے گئے۔ بڑی مشکل سے شہزادی میری نے بے بہا قیمت دے کر فرانز کا عجائب خانہ اور لاہوری خرید لی اور یہ سارا سامان انگلستان اس کے ہمراہ لایا گیا۔ جس قدر کتابیں بھی چڑی تھی انہیں برہادر کر دیا گیا۔ اس سے نازیوں کی سیرنی کب ہوتی تھی۔ فرانز کی لڑکی انا فرانز تو گستاخ پولیس کے صدر مقام میں بلوا کر اپنے ادنیٰ مٹی اور اُس سے دریافت کیا گیا کہ ان کی دولت کہاں ہے جب یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا تو فرانز کے بیٹے ڈاکٹر مارٹن فرانز کو عظیم کا نشانہ بنایا گیا۔ اُسے کہا گیا کہ ان کی جس قدر کتابیں باہر گئی ہیں اوہ واپس منگوائی جائیں اور نہ فرانز کے خاوندان کو انگلستان جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ بڑی مشکل سے یہ کتابیں اکٹھی کی گئیں۔ انہوں بھی چلا دیا گیا اور یوں نازیوں نے اپنے دل کی حسرت نکالی۔ اُن کا خیال تھا کہ فرانز کے ساری تصانیف جل گئی ہیں اس کی تحقیقات کا سارا مواد تباہ ہو گیا ہے۔ ان کی جائیداد ضبط ہو گئی ہے اور گویا تجزیہ نفس کی تحریک کو لیا میٹ کر دیا گیا ہے۔

فرانز جب جبرس پہنچا تو امریکہ کے سفیر متھین جبرس نے اس کا استقبال کیا۔ انگلستان نے انسانیت کے اس عمن کی راہ میں آنکھیں پھنائیں حکومت اور سائنٹیفک اداروں نے جبرس کے شایان شان اُس کی تعظیم کی۔ اس کی آمد کے چھ مہینے گئے۔ جب وہ ان تکلفات سے فارغ ہوا تو فوراً اپنا کام شروع کر دیا اور اب اس کا مکان 19 برگ کی بجائے 20 مارشیلڈ گارڈز تھا۔

انگلستان کے آسمان پر جنگ کے یا دہلی چھا رہے تھے۔ سارا ملک آنے والے خطرے سے

پریشان اور سرسید تھا۔ خطرے کے الارم طیارہ جنگن تو ہیں ہر جگہ نصب تھیں۔ ساری دنیا جنگ کی ہولناکیوں کے انجام سے لرزاں تھی۔ لیکن فرانڈ کے ارد گرد کا ماحول پھر بھی پرسکون تھا۔ اس کا یہ گھر بہت آرام دہ اور ہوادار تھا۔ اس کے کمرے وی آ نکا والے کمرے سے بہت بہتر تھے۔ گھر کا باغ اگرچہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ لیکن اس کا لالہ بہت نفیس تھا۔ دیواروں پر بوڑھے درختوں کے سائے ماحول اور بھی پرسکون بنا رہے تھے اتا فرانڈ بچوں کی نفسی تحلیل پر کام کرنے میں مصروف تھی۔ بظاہر یہ نئی زندگی بہت آرام دہ معلوم ہوئی تھی۔ لیکن اس کے پیچھے ایک ہیبت ناک حقیقت کھڑی تھا کہ رہی تھی۔ مسلسل دکھ اور درد فرانڈ کے گرد منڈلا رہا تھا اور اس کے پاس موت کا فرشتہ وقت کا منتظر تھا اس کے منہ کا درد ناقابل برداشت ہوتا گیا۔ رات بھر وہ جاگتا رہتا۔ دن میں ایک آدھ گھنٹہ کبھی اسے اُدگھ آ جائے تو آ جائے۔ باغ میں اس کے لئے ایک آرام جگہی ہوتی جس پر وہ پہروں بیٹھا رہتا۔ اس بیماری نے اسے اور بھی نحیف بنا دیا تھا بولنا اس کے لئے دُور بھر تھا لیکن جب کبھی درد کا آفاق ہوتا اور اس میں ڈرا سکتا آتی وہ کچھ نہ کچھ کام کرنے لگتا۔ غلطوں کا جواب تو وہ ضرور خود دینے کی کوشش کرتا۔

درد بڑھتا گیا اور ہلا خردہ مقروہ وقت آ گیا جس کا منتظر فرشتہ اجل کھڑا تھا اور وہ اس دنیا سے سدھارا وہ چاہکا ہے مگر اس کی روح زندہ ہے اور آج اس کی روح انسان کی بہتری کے لئے برابر اپنا کام کئے جا رہی ہے۔



نظريات

پس منظر

تجسس انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ انسان نئی چیزوں کی دریافت میں لگا رہتا ہے لیکن جب کوئی نیا تصور سامنے آتا ہے وہ خود اس کی مخالفت کرتا ہے بعض اوقات مخالفت بہت خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ خاص طور پر جہاں معاملہ جذبات کا ہو اور اس کا رویہ اس کی فطری تجسس میں روک بن جاتا ہے۔ سکرنڈ فرائڈ نے پہلے پہل جب اپنی تحقیقات شائع کیں تو اس کی مخالفت خطرناک حد تک کی گئی۔ وہی فرسودہ اعتراضات دہرائے گئے کہ ”یہ سائنس دلت آمیز ہیں۔ مادہ پرستی کے مترادف ہیں۔ لہذا خیالات کے حامل ہیں۔ انسان کو اس کے بلند مقام سے لے کر اویں گے۔“ اس کی نظروں میں خود اپنی عزت نہیں رہے گی۔ وہ اپنا سب کچھ کو بیٹھے گا۔ ”یہ سب کچھ جہالیات، روحانیات، اخلاقیات اور مذہب ہے جسے انسان دل و جان سے عزیز جانتا ہے۔“

مشہور انگریز شاعر کینٹس کوڈر تھا کہ اگر طیف (Spectrum) کے ذریعے قوس و قزح کے رنگوں کو دیکھا گیا تو اس سے جمالیاتی لذت مفقود ہو جائے گی۔ اس کے خیال میں قوس و قزح سے اس صورت میں لذت اٹھائی جاسکتی تھی کہ اس میں ایک افتخار ہے جس میں یہ اٹھنا جانا رہا لذت بھی ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ کسی سائنس دان نے یہ محسوس نہیں کیا کہ سائنس کی روشنی میں دیکھنے سے کائنات کی حیرت انگیزیاں کم ہو جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے جس قدر علم بڑھتا ہے سائنس دان محسوس کرتے ہیں کہ وہ بہت کم جانتے ہیں اور ابھی بہت کچھ جاننے کے قابل ہے۔ فلکیات (Astronomy) سے ستاروں کی دلکشی کم نہیں ہو جاتی۔ واپس جہالت سے ختم لیتا ہے لیکن اس کے باوجود آدی واسے اور جہالت سے چنار جتنا ہے۔ تجزیہ نفس ان واسوں کی اصلیت پر روشنی ڈالتا ہے اور اخلاقیات (Mystery) اور جہالت کی گہرائیوں میں جھانکتا ہے۔

ذہن اب تک سائنس کی دھڑ سے باہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب سائنس کے اصول اس کو سمجھنے میں استعمال کئے جانے لگے ہیں۔ اس سے جو انکشافات ہوئے ہیں وہ اتنے حیرت انگیز ہیں کہ زندگی کی ساری قدریں بدل دیتے ہیں۔ شخصیت ایک نیا روپ لے لیتی ہے اور ذہن کی گہرائیوں میں سے ایسی ایسی گہناؤں کی اور مسخ شدہ صورتیں ابھر آتی ہیں جو چھپ چھپ کر ہماری زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔

ہر سائنس کی تشکیل میں ایک عمر صرف ہوتی ہے چنانچہ سائنس فرائڈ کی زندگی بھری انھک کوششیں تحقیقات اور تجربات تجزیہ نفس کی تشکیل کا باعث بنے۔ اس میں اس کے باوقار شاگردوں کی محنتیں بھی شامل ہیں۔ تجزیہ نفس کے ارتقائی مطالعے میں ہمیں ایک اور شخصیت کا تعارف ہوتا ہے۔ یہ وی آگنا کا مشہور ڈاکٹر جوزف ہائیمر ہے جس نے ایک مریض کے علاج کے دوران میں بعض ایسی علامتیں دیکھیں جن پر تجزیہ نفس کی علامت کی بنیاد رکھی گئی۔

”یہ مریض ملے ایکس برس کی نہایت عقل مند لڑکی تھی جس کی دائیں ہاتھ اور پاؤں پر سخت فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے ساتھ فقدان احساس (Anaesthesia) بھی تھا۔ بعض اوقات ہاتھ پاؤں پر بھی بھی اسی طرح کا حملہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی آنکھوں کی حرکات میں خور پیدا ہو گیا تھا اس کی بیانی کنزور ہو گئی تھی۔ اس کا سر بے قابو ہو گیا تھا۔ اس کو کالی کالی تھی۔ کھانا کھاتے وقت اس کی طبیعت مالش کرتی تھی اور ایک دفعہ تو وہ ہفتوں پانی نہ پی سکی۔ باوجود اس کے اس کو سخت پیاس لگتی تھی۔ اس کی قوت کو باری بہت کم ہو گئی۔ اس نقص میں اتنی ترقی ہوئی کہ وہ اپنی مادری زبان نہ تو بول سکتی تھی اور نہ سمجھ سکتی تھی۔ ان تمام اختلاقات کی انتہا اس پر ہوئی کہ اسے ”غائبہ ولی“ (State of absent) رہنے لگی۔ اس کے دماغ میں اشتکار رہتا ہذا ان نے اس پر قبضہ جما لیا۔ مختصر یہ کہ اس کی تمام شخصیت بدل گئی۔“

جوزف ہائر نے اس مریض کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار شروع کیا۔ شروع شروع میں اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کی مدد کس طرح کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کام اس کے لئے قابل بہت آسان تھا کیوں کہ اس مریض کا ذہن اور اس کی سیرت بہت اعلیٰ قسم کے تھے۔ اس نے بہت جلد فرایڈ کا ایک لکچر جو اس نے کارک ہوشدرٹی میں دیا تھا۔ اقتباس ”تظہیات فاسدہ“ مترجم پروفیسر مقلند ولی الرحمن سے لیا گیا ہے۔

اپنے ہمدردانہ مشاہدے سے ان وسائل کو دریافت کر لیا جن سے پہلی مدد ممکن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ مریضہ "غائب دلی" یا اپنے نفسی تغیر کی حالت میں کچھ نڈ بٹاتی ہے۔ یہ ان حتمی زماں سے پیدا ہونے والے الفاظ ثابت ہوئے جن میں اس کا خیال منہمک و مصروف رہتا تھا۔ برائے ان الفاظ کو اخذ کیا اور ان پر چنانچہ نوم کی حالت طاری کر کے ان کو اس کے سامنے دہرایا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی حتمی زماں فی الواقع موجود ہیں تو ان کا احیا ہو جائے۔ مریضہ نے اس کے ایثار (Suggestion) کو قبول کر لیا۔ اور اس سے ان نفسی تخلیقات کا احیا ہوا جو اس کے "غائب دلی" کے زمانے میں اس کے خیالات پر منحصر تھیں۔ یہ تخلیقات حدود و دیگر اور پرانہ وہ تھے اور جن میں اکثر شاعرانہ حسن تخیل کی شان نظر آتی تھی۔ ان کو ہم بیداری کے خواب بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ عموماً اس لڑکی کی حالت سے شروع ہوتے تھے جو اپنے باپ کے بستر علالت کے پاس بیٹھی ہے۔ جب وہ اس قسم کے چند تخلیقات بیان کر دیتی تو گویا وہ آزاد ہو جاتی اور اپنی طبیعتی زندگی کی طرف عود کرتی تھی۔ یہ حالت صحت کے بعد کئی گھنٹے تک باقی رہتی لیکن اگلے ہی دن "غائب دلی" کی نئی حالت پیدا ہو جاتی۔ یہ بھی نوزائیدہ تخلیقات کے بیان کر دینے سے ختم ہو جاتی تھی اس خیال کا پیدا نہ ہونا ناممکنات سے تھا وہ نفسی تغیر جس کا اظہار "غائب دلی" کی حالتوں میں ظاہر ہوتا تھا ان جسمیات اور عصبانات کا نتیجہ تھا جو ان حدود و جذباتی تخلیقات سے پیدا ہوتے تھے۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ مریضہ اپنی اس بیماری میں صرف انگریزی زبان بولتی اور سمجھتی تھی۔ اس نے خود اس طریق علاج کا نام علاج بالکالمہ (Talking Curs) رکھا تھا اور وہ عرضا اس کو "دود کش صاف کرتا" کہتی تھی۔

اس تمام واقعے سے برائے کا ذہن اس حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ اس خنزیر روح سے بار بار غور کرنے والے "فانی" بادلوں کے عارضی وضعیے کے علاوہ اور بھی کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اس کو خیال آیا کہ اگر چنانچہ نوم حالت میں مریضہ کو وہ صورت حالات اور وہ تمام تلازمی رد اہل یاد دلائے جا سکتے ہیں جن سے اس مرض کے تمام آثار پہلی مرتبہ پیدا ہوئے تو یہ آثار غائب ہو جائیں گے۔ حالات یوں تھے۔

ایک گرمی کے موسم میں سخت گرمی چڑھ رہی تھی اور مریضہ کو پیاس کی سخت تکلیف تھی کیونکہ بغیر کسی ظاہری علت کے وہ اچانک پانی پینے کے ناقابل ہو گئی وہ پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیتی

لیکن جوں ہی اُسے منہ کے پاس لے جاتی وہ اُسے اس طرح پیچک دیتی کہ پانی سے ڈار لگتا۔ ظاہر ہے کہ ان چند سیکنڈ کی مدت میں وہ "غائب دلی" کی ہی حالت میں ہوتی تھی۔ اس حالت میں وہ صرف تربوز وغیرہ کھاتی اور ان ہی سے اپنی پیاس بجھاتی تھی۔ یہ حالت کوئی چھ ہفتے باقی رہی کہ ایک دن چٹانوم کی حالت میں وہ اپنی انگریز گورنرس (Governess) کا ذکر کر رہی تھی جس سے اُسے سخت نفرت تھی۔ سب سے آخر میں اس نے بیان کیا اور کراہت اور نفرت کی ہر علامت سے اپنے بیان کی تائید کی کہ ایک دن میں اس کے کمرے میں گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس کا چھوٹا سا کتا جس نے مریضہ ڈرتی تھی گھاس میں پانی پی رہا ہے۔ آداب مراسم سے اس نے اس حادثے کا کسی سے ذکر نہ کیا! اب جبکہ وہ اپنے رکے ہوئے اور بے ہوشے غصے کا پرجوش اظہار کر چکی تو اس نے پانی مانگا اور بد تکلف و تکلیف بہت سا پانی پی گئی۔ جس وقت وہ اس حالت سے بیدار ہوئی اُس وقت اُس کے لبوں پر گھاس کا کنارہ تھا۔ اس کے بعد یہ سب علامات مستحکم ہو گئیں۔

اس سے قبل کسی ڈاکٹر نے ہسٹریا کی علامات کا اس طرح علاج نہ کیا تھا یا کوئی ڈاکٹر اس کی علت کے تعظیم کے اس قدر قریب نہ پہنچا تھا۔ اب اگر یہ توقع پوری ہو سکتی کہ باقی دیگر بلکہ شاید اکثر دیگر علامات بھی اس طرح پیدا ہونے اور ان کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے تو یہ ایک بہت بڑا زبردست پارآدرائکشاف ہوتا۔ براؤ نے اس طرف سے اپنا اطمینان کرنے میں کوئی وقت نہ اٹھا رکھا اور وہ دیگر سنگین علامات کی مرضیاتی پیدائش (Pathogenesis) کی زیادہ باقاعدہ تحقیق کرنے لگا۔ بلاخر اس کی توقع پوری ہوئی۔ تقریباً تمام علامات بالکل اسی طرح پیدا ہوئی تھیں۔ یہ تاثری تجربات کے باقیات تھے یا چاہا تو ان کی تلخیص کہہ لو۔ اسی وجہ سے بعد ہم نے ان کا نام "نفسی جراحات" (Psychic Trauma) رکھا۔

میں نے اس وقت تک ہسٹریا کے صرف ایک "اثر" کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے کہ یہ اس بات نتیجہ تھی کہ کتنے نے گھاس میں پانی پی لیا تھا اور اُس نے اس سے پیدا ہونے والے جذبات کے اظہار کے بجائے انہیں دبا دیا تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ سامعین اس کے علاوہ ہسٹریا کے دیگر آثار کے متعلق بھی اسی بیان کے سننے کے لئے بے قرار ہیں لیکن میں بہت سی مثالیں بیان نہیں کر سکتا بہر حال سامعین کی تسکین اور ان کے اطمینان کے لئے صرف ایک مثال اور بیان کئے دیتا

ہوں۔ میں نے کہیں کہا ہے کہ مریض کی بنیائی خراب ہوگئی تھی۔ برائے ذیل کے طریقے سے اس کو خراجی علتوں کا نتیجہ ثابت کیا۔

”ایک دفعہ مریض کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ اپنے باپ کے بستر علالت کے پاس بیٹھی تھی کہ اس کے باپ نے اس سے وقت دریافت کیا وہ آنسوؤں کی وجہ سے صاف نہ دیکھ سکتی تھی۔ لہذا اس نے اپنی آنکھوں پر زور دیا۔ وہ گھڑی کو اپنی آنکھوں کے پاس ملائی جس کی وجہ سے اس کا ڈاکٹر بہت بہت بڑا نظر آنے لگا یہ ہوا کہ اس آنسوؤں کو دبانے کی کوشش کی تاکہ اس کا مریض باپ اُسے روتے ہوئے نہ دیکھ لے۔۔۔۔۔ ایک دفعہ رات کے وقت وہ بہت تشویش کی حالت میں اپنے مریض باپ کو تک رہی تھی جسے اُس وقت بہت شدید بخار تھا۔ وہ درحقیقت دی آگ کے ایک ڈاکٹر کی منتظر تھی جو اس کے باپ پر عمل جراحی کرنے والا تھا۔ اس کی ماں کچھ دیر کے لئے باہر چلی گئی تھی۔ مریض باپ کے چنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کا بازو کرسی کے ہتھکے پر لٹکا ہوا تھا۔ اس پر حالت محویت طاری ہوئی جس میں اس نے ایک سانپ کو نکلنے ہوئے دیکھا یہ سانپ اس کے باپ کی طرف اس انداز سے بڑھا کہ گویا وہ اس کا نٹے جا رہا ہے (اعلم یہ ہے کہ اس سے قبل گھر کے پیچھے باغ میں بہت سے سانپ دکھائی دیئے تھے اور اُسے ڈر لگا تھا۔ ان ہی قدیم تجربات نے اس وقت کے وہم کا مواد مہیا کیا) اس نے سانپ کو مارنے اور بھگانے کی کوشش کی لیکن معلوم پایا ہوتا تھا کہ اس کو فالج ہو گیا ہے۔ لہذا وہ حرکت نہ کر سکتی تھی اس کا دایاں بازو جو کرسی کے ہتھکے پر لٹکا رہا تھا ”سو گیا“ تھا۔ اس طرح یہ واقعہ الاحساس اور مفلوج ہو گیا تھا۔ جب اس نے اپنے بازو پر نگاہ کی تو اس کی انگلیاں چھوئے چھوئے سانپ بن گئیں اور اُن کے ناخن ان سالیوں کے سر اس نے غالباً اپنے مفلوج دائیں بازو سے سانپ کو بھگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح اس کا فقدان احساس اور فالج سانپ کے وہم کے ساتھ مستلزم ہو گیا۔ جب یہ رفع ہو گیا تو اس نے یہ قصہ بیان کرنا چاہا لیکن طاقت گویائی جواب دے چکی تھی۔ وہ کسی زبان میں بھی اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہ کر سکتی تھی۔ پلا خراس کو ایک انگریز ی گیت کے چند الفاظ یاد آئے اس کے بعد وہ صرف اسی زبان میں سوچ اور بول سکتی تھی۔ جب چنانچہ نوم کی حالت میں اس حادثے کی یاد کا احیا کیا گیا تو بازو کا فالج جو ابتداً مرض سے موجود تھا رفع ہو گیا اس کا علاج ختم ہو گیا۔“

طبی لحاظ سے یہ ایک عام دلچسپی کا واقعہ تھا۔ لیکن فرائڈ کی بالغ نظری نے اس معمولی واقعہ

کے پس پردہ بہت بڑی حقیقت کو پایا۔ اتنی بڑی حقیقت کہ اس نے ساری زندگی اس کی چھان بین میں صرف کر دی۔ یہ اسی محنت اور مشقت کا ثمر ہے جو آج وہ ایک نئی نفسیات کا بانی تسلیم کیا جا رہا ہے۔

برائے فرائڈ سے چودہ برس بڑا تھا دونوں میں دوستی تھی اور دونوں مل کر ہسٹریا کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے۔ فرائڈ نے دیکھا کہ ہسٹریا کی متعدد علامات ایسی ہیں جو آج رونما ہوتی ہیں اور کل غائب ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علامات غیر مربوط طور پر جسم کے مختلف حصوں میں بھی غفلت ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر وہ اُن کو سمجھنے کی نوبت میں لگ گیا۔ اب تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی اور نہ کسی کو یہ سوچا تھا کہ ان ہسٹریائی علامات کا کچھ نفسیاتی مطلب بھی ہو سکتا ہے یہی کہا جاتا تھا کہ یہ علامات کسی دماغی حادثے کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں یا مریض کے خیالات میں بے رابطگی کا نتیجہ یہ علامات ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تحقیقات کے اس میدان میں اس سے پہلے کسی نے قدم نہیں رکھا تھا کیونکہ یہ میدان بہت سنگارح تھا۔

برائے نے تھوڑی دور چل کر فرائڈ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ بالکل اکیلا تھا مگر اس کے باوجود وہ آگے بڑھتا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ ہسٹریا کی علامات اور ان کی مختلف اشکال کا تعلق مریض کے ماضی سے ہوتا ہے۔ اس نے ماضی کے واقعات کی یادوں کو چٹانوم کے ذریعے تازہ کیا۔ حالانکہ خیال کیا جاتا تھا کہ ماضی کی یہ یادیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ مردہ نہیں ہوتیں بلکہ ہمارے اعمال و افعال پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ فرائڈ سے قبل مشہور فلاسٹر شوپن ہار نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا جو اشارہ ہی رہا مگر فرائڈ نے پوری طرح تحقیقات کی اور یہ خیال تجزیہ نفس کا سنگ بنیاد بنا دیا۔

شروع میں فرائڈ چٹانوم کے ذریعے ہسٹریا کے مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا لیکن بعض مریض ایسے بھی تھے جن پر چٹانوم کا عمل کارگر نہ ہوتا۔ اُن کے لئے ایسے طریقے کی ضرورت تھی جس سے اُن کے ماضی کی یادوں کو ابھار دیا جاسکے۔ فرائڈ ایسے مریضوں کو آرام سے بٹھا دیتا اور انہیں اپنی داستان حیات سنانے کو کہتا اور تاکید کرتا کہ کوئی بات خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو گزرتی ہو چھپائے نہ کسی واقعہ کو معمولی جان کر یا عداوت کے باعث پوشیدہ رکھے۔ یہ طریقہ کار گراہت ہوا اور اسے اب علامت آزما اختیار کی (Free Association) کہتے ہیں۔

چنانچہ نوم کے دوران میں بعض مریضوں پر زور ڈال کر ماضی کی یادوں کو ابھارتا جاتا تھا یہی وقت ملازم اختیاری میں بھی باقی رہی۔ زور ڈالنے کے باوجود مریض کے ذہن میں ایسی چند تھیں تھیں جو یادوں کو ابھرنے سے روکتیں اور مزاحمت کرتی تھیں۔ یہ مزاحمت (Resistance) تجربہ یہ نفس کے نظریات کو وسعت دینے میں بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہ مزاحمت ہی وہ قوت تھی جو یاد کو ابھرنے نہیں دیتی تھی۔ ”دینی ہوئی یادیں“ اگرچہ غیر شعوری تھیں لیکن ان کے اثرات بہت زیادہ تھے اور پھر لطف یہ کہ مریض خود ان اثرات سے بے خبر ہوتے۔ مزید تحقیقات کے دوران میں اس کشمکش کی زیادہ وضاحت ہو گئی اور فرائڈ نے معلوم کر لیا کہ دینی ہوئی یادیں جو ایسا اثر پیدا کرتی ہیں ایک خاص قسم کی اور مریض کی اخلاقی، سماجی اور جمالیاتی اقدار کے بالکل متضاد ہوتی ہیں اور ان کا یاد رکھنا مریض کے لئے ناہنہ دہ ہوتا ہے۔ یہی وہ سراغ تھا جس کے ذریعے وہ ان دینی ہوئی یادوں کی توضیح کر سکا۔

ملازم اختیاری کے ذریعے اُسے جو مواد ملا۔ اس سے جلد ہی واضح ہو گیا کہ مریض کے خواب نہایت معنی خیز ہوتے ہیں۔ اس سے قبل ماہرین نفسیات و اطباء نے خواب پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا۔ فرائڈ نے سب سے پہلے خواب کی طرف توجہ کی اور اُس کے ذریعے کئی ایسے اہم مسائل حل کر لئے جو ہزاروں سالوں سے یوں ہی چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس نے خواب کی تعبیر میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس کی یہ تحقیقات نفسیات میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہے خواب کے ذریعے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکا جا سکتا ہے۔ فرائڈ کی کتاب ”خواب کی تعبیر“ (Interpretation of Dreams) دنیا کی بہترین اور جامع کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

اپنی تحقیقات کے دوران فرائڈ کو جنس کی اہمیت کا علم ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ جنسی کشمکش میں جنس سے اعصابی امراض پیدا ہوتے ہیں جنس بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس اہمیت کی روشنی میں جب اس نے اعمال کا جائزہ لیا شروع کیا تو حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ فرائڈ کے جنسی نظریات کی سب سے زیادہ مخالفت ہوئی علمی حلقوں میں ایک اچھل بچھل مچ گئی۔ مگر اس کے باوجود اپنے کام میں لگا رہا۔ اس کے سامنے ایک اور حقیقت آئی اور وہ بچے کی نشوونما تھی۔ وہ عجیب و غریب اور حیران کن نتائج پر پہنچا۔ اس نے ثابت کیا کہ بچے کی ابتدائی زندگی میں جنس کا کافی دخل ہوتا ہے۔ یہی دخل دیو مالانورم پرستی، سماجی اور مذہبی اداروں کے پاس پر وہ عقلی طاقت، بن کر زندگی پر جما

جاتا ہے۔ اسی روشنی میں زندگی کے بہت سے مسائل حل کروئے ہیں جو اب تک دھندلکوں میں تھے۔ فردا ور نسل کی نشوونما کو سمجھنے میں ”بچے کی جنس“ کا نظریہ بہت مدد دیتا ہے۔

فرانز دس برس اکیلا کام کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس کے نظریات کو قبول کرنا تو کچا کسی نے اس سے جھڑپی کا اظہار تک نہیں کیا۔ لیکن بالآخر اس کی انتھک کوششیں رنگ لائیں اور چند لوگ اُس کے پیرو بن گئے۔ 1910ء میں تجزیہ نفس کی بین الاقوامی انجمن (International Association of Psychoanalysis) کی بنیاد رکھی گئی۔ 1913ء میں اس کی ایک شاخ برطانیہ میں قائم کی گئی اور آہستہ آہستہ اُس کی اور شاخیں مختلف ممالک میں قائم ہوئیں۔

اب زندگی کا ہر شعبہ تجزیہ نفس کے نظریات سے متاثر ہے اور تجزیہ نفس طبی نفسیات کے دائرہ سے نکل کر پوری زندگی پر حاوی ہو چکا ہے۔

دہنی زندگی لاشعور

ایک زمانہ تھا جب ذہن کو مختلف "ملاہیتوں" کے مطابق تقسیم کیا جاتا تھا لیکن فرانز نے ثابت کیا ہے کہ دہنی زندگی میں ایک ناقابلِ تردید وحدت اور تسلسل ہوتا ہے۔ یعنی ہم پر ایک خاص لمحے میں جو کچھ گزر چکا ہے اور جو گزر رہا ہے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ یہاں کوئی بات محض مادے کے طور پر نہیں ہوتی اور طبیعی دنیا کی طرح ذاتی اظہار میں بھی موقع (Chance) کا دخل ہوتا ہے۔ جو باتیں غیر متوقع اور حادثہ معلوم ہوتی ہیں حقیقت میں وہ ایسی نہیں ہوتیں اپنی ذاتی زندگی کے بہت زیادہ حصے سے ہم بے خبر رہتے ہیں اور جو کچھ جان پاتے ہیں وہ محض نتیجہ ہوتا ہے اسی لئے بعض اوقات وہ بالکل الگ بے تعلق اور بے سبب معلوم ہوتا ہے۔ فرانز کے نزدیک نفس (Psyche) خواہ وہ کسی حالت میں کار فرما ہو ایک وحدت ہے اور اس وحدت کے دور رخ ہیں ایک لاشعور اور دوسرا لاشعور اور یہ دونوں زندگی بھر متواتر عمل اور رد عمل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں لاشعور زیادہ اثر آفرین ہے۔

فرانز ذہن کو ایک ایسا آلہ تصور کرتا ہے جسے دو طریقے سے حرکت میں لایا جاسکتا ہے ایک خارجی اور دوسرا داخلی جب کسی خارجی مصلح کو ٹکرتی ہے تو اس میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس کی سرگرمی ایک جانب رونما ہو جاتی ہے۔ بھوک یا اسی قسم کی کوئی اور جبلی طاقت جب داخلی طور پر مصلح بن کر سرگرم عمل ہوتی ہے تو اس کا رخ دوسری جانب ہوتا ہے۔ کئی حاجتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جب یہ دونوں محرکات ایک ساتھ عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال اس بھوکے آدمی کی ہی ہے جو کھانے کو دیکھ کر لپٹا جاتا ہے۔ فرانز کا خیال ہے کہ تمام ذاتی اعمال لاشعور سے شروع ہوتے ہیں۔ ان میں

سے بعض فوراً شعور میں آ جاتے ہیں اور باقی کسی وجہ سے وہیں رک جاتے ہیں۔ جبلی محرکات جو ہمارے اندر سے شروع ہوتے ہیں اور جن کا سرچشمہ لا شعور ہوتا ہے ان کا کھٹنا چٹنا دھواں نہیں۔ اسی طرح روزمرہ زندگی میں بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں جن کا محرک حیرت انگیز ہوتا ہے اور جنہیں ہم بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔ آپ کو تجربہ ہوا ہو گا کہ آپ کے اندر کوئی چیز ایک آواز سنتی ہے... مثلاً گھنٹی بیل کی آواز۔ مگر شعوری طور پر آپ کو یاد نہیں ہوتا کہ ایسا ہوا ہے۔

۔ فرائنڈ ذہن کو تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ شعور (Conscious) جب ہم اپنے خیالات سے ایک خاص وقت میں باخبر ہوتے ہیں۔ قبل شعور (Pre-Conscious) یہ شعور کا کنارہ ہے جہاں سے خیالات موقع محل کے مطابق فوراً شعور میں آ جاتے ہیں۔ لا شعور یہاں ایسے خیالات ہوتے ہیں جو آسانی سے شعور میں نہیں آتے اور ڈھلائے جاسکتے ہیں۔ ان کو باہر نکالنے کے لئے ایک خاص طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے۔

ذہن میں ایک مخصوص واسطہ (ابجیسی) کا فرما رہا ہوتا ہے اور اسی کی اجازت سے کوئی خیال ذہن کے ایک گروہ سے دوسرے میں جا سکتا ہے۔ اس واسطہ کو "احتساب" سنسر شپ (Censorship) کا نام دیا گیا ہے۔ جنگ کے دنوں میں حکومت سیاسی حالات کو ضبط میں رکھنے کے لئے احتساب کا محکمہ قائم کر دیتی ہے اور یہ اس محکمے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کسی خبر کو روک لے یا اس کو نشر ہونے دے۔ یہ احتساب لا شعور اور شعور کے مابین ہوتا ہے۔ شعور اور قبل شعور کے درمیان بھی یہ احتساب ہے لیکن بہت ہی کمزور حالت میں وہ واسطہ جو اس احتساب کو بروئے کار لاتا ہے وہ اس "دباؤ" کی مانند ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے ذریعے بعض خیالات شعور سے باہر جتے ہیں اور بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں کہ جب انہیں یاد کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں مزاحمت پیدا ہوتی ہے اور یاد کرنے والا انہیں یاد نہیں کر پاتا۔

ذہن کا مطالعہ ایک اور زاویہ نگاہ سے کیا جاسکتا ہے اور یہ اس کی حرکی (Dynamic) حالت ہے۔ اس ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لا شعور مجموعہ ہوتا ہے ان بیجا بات اور خواہشات کا جو فرد کی زندگی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے اور یہ سیاسی بیجا بات جبلی آکسانیں مسلسل لا شعور میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور کوشاں ہوتی ہیں کہ باہر نکلے گا کوئی راستہ پا کر اپنی تسکین کا سامان ہم پہنچائیں۔ فرائنڈ نے اس ذہنی قوت کو آڈ (Add) کہا ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے ذہن

جہتوں سے قوت حاصل کرتا ہے۔ پلا تفریق یہی سارے ذہن کی اساس ہے۔

بچے کی زندگی کے ابتدائی ایام میں اسی اڈا کا ایک حصہ خارجی دنیا سے متعلق ہو کر باقی تمام حصے سے متفرق ہو جاتا ہے۔ اس حصے کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ فرد کے جسم نامی (Organism) اور خارجی دنیا میں جس میں انسانی ماحول بھی آ جاتا ہے میں تعلقات قائم کرے اس کا نام ایگو (Ego) پاتا ہے۔ ایگو کا مطلب ”اپنی ذات“ لیا جاسکتا ہے۔ اسی سے اپنی شخصیت کا احساس پیدا ہوتا ہے ایگو اڈا کے متعلق رویہ ناقدانہ ہوتا ہے۔ وہ اڈا کے بیجا نات کی بعض مانگوں کی تسکین کرتا ہے بعض کو کاغذی ملامت قرار دے کر رد کر دیتا ہے ایگو کا ایسا کرنا دباؤ (Repression) کہلاتا ہے۔ دباؤ سے کوئی خیال صرف شعور سے پرے ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ خود ایگو سے پرے رکھا جاتا ہے۔ جو بیجا نات اس طرح دبائے جاتے ہیں وہ اڈا کی ابتدائی حالت کا ایک مخصوص جزو دین جاتے ہیں۔ البتہ یہ بیجا نات لا شخصی ہوتے ہیں۔ اس طرح جو حالت پیدا ہوتی ہے اُس کا اظہار ہم یوں کر سکتے ہیں کہ ”میں (ایگو) فلاں بات کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے اندر کوئی اور ذات ہے جو میں نہیں ہوں وہ فلاں بات کرنا چاہتی ہے۔“ یاد رہے کہ شعور دوسری خواہش سے بے خبر ہوتا ہے۔

یہاں ایک مشکل کاغذی غور ہے۔ جس طرح اڈا کا ایک حصہ کنٹ کر ”دلی ہوئی اڈا“ بن جاتا ہے اس طرح نشوونما کے دوران میں ایگو کا ایک حصہ باقی کل سے علیحدہ ہو جاتا ہے یہ سپر ایگو (Super Ego) یا ضمیر ہے۔ اس کا تعلق ایگو سے زیادہ اڈا سے ہوتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ ایگو اور اڈا کے تعلقات کی نگہبانی کرتا رہے اور ایگو کو اُن خطرات سے آگاہ کرے جو دے ہوئے بیجا نات کے باعث اڈا سے ظاہر ہوں۔ احتساب جس کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ یہی سپر ایگو ہے۔ ایگو دباؤ کا عمل کرتا ہے سو پر ایگو نہیں۔ ایگو، سو پر ایگو کے اشارے پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ بچے کی ابتدائی زندگی کے پہلے پانچ سالوں میں اُس پر والدین کا جواثر ہوتا ہے اُسی سے سپر ایگو معرض وجود میں آتا ہے۔ یہ ہو بہو اُن کی تعلیم کی نقل نہیں ہوتی بلکہ اس کی مضبوطی کا انحصار بچے اور والدین کے جذباتی تعلق پر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کو ہم مختصر ایوں دہراتے ہیں کہ ذہن میں چار حالتیں پائی جاتی ہیں۔ بنیادی اڈا جس کا ایک حصہ ایگو کہلاتا ہے۔ باقی حصہ جو ایگو کے معیار پر پورا نہیں اُترتا اور دب جاتا ہے۔ ایگو اور اس کا ایک حصہ جو روتہ روتہ سو پر ایگو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ فرائڈ کا خیال ہے کہ وہ

رجحانات اور کام جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے خود بخود اسی طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح جسمانی اعمال اُس کے نزدیک شخصیت کا تصور صرف ایٹونک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے اس کے لاشعور کا مظاہرہ ہوتا ہے تو وہ اپنے اُن دے ہوئے رجحانات کو جو اُس کے ذہن کی گہرائیوں سے نکالے گئے ہیں اپنا سامنے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ یہ دے ہوئے رجحانات وہ خیالات ہیں جنہیں ”بد اخلاق“ (Immoral) سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ خیالات اُس وقت بد اخلاق قرار دیے جاسکتے ہیں جب انہیں اخلاق کے قزاقوں پر قولا جائے۔ اصل میں یہ خیالات لا اخلاق (Non-moral) ہوتے ہیں اور صحیح یا غلط کا کوئی احساس ان سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقتات سے معلوم ہوا کہ ان میں اکثر خیالات جنسی ہوتے ہیں یا خاصانہ (Hostile) نوعیت کے۔ (اس میں خالمانہ اور جارحانہ خیالات بھی شامل ہوتے ہیں) لیکن خاصانہ خیالات کا بیشتر حصہ بھی نتیجہ ہوتا ہے جنسی جبلتی رجحانات کے پورا نہ ہونے کا۔ اسی لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دے ہوئے ہوئے رجحانات زیادہ تر جنسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف نو پرائیو انسانی ساخت کا سب سے زیادہ اخلاقی حصہ ہے اور عام طور پر ضمیر کو جس قدر باخلاق سمجھا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ با اخلاقی ہے۔ اسی لئے فریڈ کہتا ہے کہ انسان اُس سے زیادہ بد اخلاقی ہے جس قدر وہ اپنے تئیں چانتا ہے۔

نو پرائیو کی نشو و نما اگر پوری طرح نہیں ہوتی تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ایک محرک بچے اخلاق کا بہت زیادہ دھمیان رکھتے ہیں اپنے ماحول سے اخلاق کے جو معیار وہ قائم کر لیتے ہیں اُن میں ذرا سی لغزش اُن کے لئے ایک گناہ عظیم ہوتی ہے۔ وہ اس کے خطرناک نتائج سے ڈرتے ہیں۔ بچپن کی ساری ناخوشیاں یہیں سے پیدا ہوتی ہیں اگر یہ حالت زیادہ مدت تک رہے تو اس کے ذہنی، جبلتی رجحانات پر قید و بند لگا کر انہیں کسی اور راستے پر ڈال دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ معصومانہ افعال جن میں چلنا پھرنا اور کھانا بھی شامل ہے خود بخود ممنوع قرار پا جائیں گے۔ یہ استغراق شعوری طور پر کوئی معذوری کہی جائے گی لیکن حقیقت میں یہ اعصابی بد نظمی کی ایک صورت ہوتی ہے۔

قبل شعور اور شعور میں صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ اُس میں شعور کی صفت مفقود ہوتی ہے لیکن لاشعور کی بہت سی صفات ایسی ہیں جو شعور کی صفات سے اُن کی حد بندی کرتی ہیں ان میں سے

بعض تو شعوری طریق کار سے بہت زیادہ امتیاز رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر۔ لاشعور میں وقت اور لفظی کے تصورات نہیں ہوتے۔ لاشعور غیر فانی ہے۔ اس کے اقلیم میں کوئی انجام ہے نہ ماضی۔ یہاں کوئی بات بھولتی نہیں۔ اس کے تصورات اشیاء اور اعمال کی غیر لفظی (Non-Verbal) تصویر ہوتے ہیں۔ الفاظ کا تعلق شعور یا قبل شعور تک ہوتا ہے۔

لاشعور اور شعور پر غور کرتے ہوئے ہم نفسی نظام کے بنیادی تصورات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم جان چکے ہیں کہ ایک تخلیقی قوت ہر ذی حیات زندگی کو آکسائی رہتی ہے اور یہی قوت (ایڈا) ہر ذہنی عمل کے ساتھ مختلف مقدار میں باہر نکلنا چاہتی ہے۔ اگر اُسے باہر نکلنے کا راستہ مل جائے تو اس میں ایجنو کو مسرت تسکین اور سکون میسر آتا ہے۔ اس نفسی قوت کے اس رجحان سے ہی ذہنی زندگی نہ روش خفین ہوتی ہے۔ فریڈا اس رجحان کو خواہش (Wish or Desire) کا نام دیتا ہے۔ جس کا کہا جاسکتا ہے کہ نفسی زندگی انہیں خواہشات سے جتنی ہے اور یہی خواہشات نت نئے پھیلات پیدا کرتی ہیں جو بعض اوقات الجھنوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ان تمام پھیلات یا نفسی قوت کے نکلنے کے راستوں کا مقصد دواپسے اصولوں کی تکمیل ہوتا ہے۔ جن پر ہماری ذہنی زندگی کا انحصار ہے۔ ان میں سے ایک اصول لذت (Pleasure Principle) ہے اور دوسرا اصول حقیقت (Reality Principle) اصول لذت فرد کے ابتدائی جبلی دور میں بطور بنیاد کے کام آتا ہے اور جب حیر دنی جہد ہی طاقتیں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں تو اس میں تھوڑی سے تبدیلی آ جاتی ہے۔ زندگی میں ہمیں جو بھی تجربہ ہوتا ہے یہ اصول اُسے لذت یا دکھ (Pain) کے تر ازو میں تو لٹا ہے اور دیکھتا ہے کہ تجربے سے لذت ہوئی یا دکھ پہنچا۔ اس اصول کا معیار داخلی ہوتا ہے۔ یہ اصول ذہنی قوت کی ابتدائی اصل صورت پیش کرتا ہے۔ انسانی نشو و نما کے شروع کے دور اس کی خصوصیت ہیں۔ یہ فرد اور نسل (Race) دونوں میں کار فرما ہوتا ہے۔ بچے کی ذہنی زندگی اور بہت حد تک وحشی انسانوں میں یہ آسانی نظر آ سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کام یہ کہ فرد کی بہت سی جبلی خواہشات کی تسکین کے لئے مسلسل مانگیں پیش کرتا ہے خواہ ان کے لئے اُسے کیا کچھ کرنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں خود فرضی، ذاتی منفعت، بہت دھری اور سماج حیر پایا جاتا ہے۔

بچے کی زندگی کا معمولی سا مطالعہ دیتا ہے کہ اُس کے ہر فعل کے پیچھے اصول لذت کام کرتا

ہے۔ بچہ اپنی خواہشات سے آگاہ ہوتا ہے اور ان کو پورا کرنے کے لئے ضد کرتا ہے۔ اس کی ابتدائی صورتیں خوراک، ہسٹر کی گری، ہاں کی گود اور ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ اصول چونکہ بچے میں صاف نظر آتا ہے اس لئے یہ نہیں سمجھ لیتا چاہئے کہ یہ اصول صرف بچوں تک محدود ہے بلکہ جب ہم انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو قدیم زمانے سے اس کا سراغ ملتا ہے۔ اس زمانے کے انسان نے اپنے ایسے ہیچانات سے جن میں خوفناک اور ذاتی فائدہ ہوتا تھا دور رہنے کے لئے۔

عمرات (Taboos) بنائے تھے۔ آج کا "مہذب" انسان بڑی چابکدسی سے ان خواہشات کو چھپا لیتا ہے اور معلوم نہیں ہونے دیتا کہ اصول لذت ہی اس کے کردار کا ذریعہ ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ ہم تلخ حقیقت کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہتے۔ ان باتوں کو پسند کرتے ہیں جن سے ہمیں مسرت ملے۔ تہذیب کے ارتقاء سے ہماری زندگی پر جو کلچر، اخلاقی، مذہبی اور سماجی اثرات ہوتے ہیں ان سے اس اصول کی ابتدائی صورت میں کچھ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ ارتقاء اس اصول یا اس کی اثر آفرینی کو متاثر نہیں سکنا۔ یہ ہمیشہ بلا واسطہ (لا شعور میں) یا بالواسطہ (شعور کی مختلف حالتوں میں) اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی اصول حقیقت سے بھی اشتراک کر لیتا ہے اور کبھی اس کے خلاف عمل سچا ہوتا ہے۔ "اسول حقیقت" پر کار بند ہونے بغیر فرد کا بقا محال ہے۔ زہرہ رہنے کے لئے اسے ہر دینی طاقتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پانی، آگ، ہوا، خوراک وغیرہ ایسی حقیقتیں ہیں جن کا خیال رکھنا زندگی کے لئے لازمی ہے اپنے اہل کردہ لوگوں کے حقوق ضروریات اور ان کی طاقت کا خیال بھی اسی اصول کا تقاضا ہے۔ یہ سب باتیں وحشی انسانوں تک میں موجود تھیں۔

لا شعور میں احساس کا عنصر غالب ہوتا ہے اور شعور میں استدلال (Reason) کا۔ اسی سے شعوری زندگی میں مقبولیت آ جاتی ہے۔ جب ایک نوسولودو دنیا میں آتا ہے تو اس کی شعوری زندگی ماحول کے مطابق بننے لگتی ہے۔ بچہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے وہی اعمال کرتا ہے جو دوسرے پسند کرتے ہیں۔ اس کی نفسی کیفیات اگرچہ غیر فانی اور قوی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ آہستہ آہستہ ماحول سے ہم آہنگ ہونے کی سعی میں لگا رہتا ہے۔ جب وہ ایسا کر نہیں پاتا تو اس کی ذہنی حالت میں ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے جسے ذہنی کشش کہا جاتا ہے۔

تہذیب کی پابندیوں اور قیود کے باوجود ابتدائی نفسی حالت آسودگی کی کوشش کرتی ہے یوں

ان قیود اور ان خواہشات میں جو آسودگی چاہتی ہیں ٹھن جاتی ہے۔ بیانات میں سوا تر اول بدل ہوتا رہتا ہے۔ یہ اصول لذت جمیلی تقاضوں پر آکساتا ہے۔ معقولیت پسندی ان تقاضوں کو اس حد تک روکتی ہے جس کی ماحول توقع رکھتا ہے۔ ادھر لاشعور میں ابتدائی نفس اثر آفرینی تبدیلی اور ترمیم میں گذرتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آتا ہے جب یہ تہذیب کی بہت سی پابندیوں کو اختیار کر لیتی ہیں۔ اس کو واضح کرنے کے لئے بچوں کے خوابوں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ بچے خواب میں ماں یا آبا کو مار ڈالتے ہیں انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں انہیں دکھ پہنچا کر لذت محسوس کرتے ہیں۔ جاگتے میں ماں یا آبا انہیں روکتی اور ٹوکتی رہتی ہیں۔ ان کی خلاف مرضی ان پر حکم چلاتی ہیں۔ بچے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ان کے خلاف جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں شعور میں بھی نہیں لاسکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر طور پر ماحول سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ لیکن خواب میں یہ خیالات نکل کر ماں یا آبا کے خلاف اظہار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بچوں تک محدود نہیں بلکہ عام زندگی میں جن لوگوں سے ہمیں اپنے مفاد کا خطرہ ہوتا ہے ہم انہیں خواب میں مردہ یا بیمار دیکھتے ہیں یا وہ کسی لمبے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔

شعوری خواہشات کو سوا تر دہایا جاتا ہے اور اس دہاؤ سے لاشعور رنگ لیتا اور اپنی تخلیق کرتا ہے۔ وہ خواہشات جنہیں دہایا جاتا ہے۔ لاشعور میں پناہ لیتی ہیں اور موقع پا کر کبھی خواب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی دماغ (Fantasy) کی مختلف اشکال میں اس کی ایک مثال آرٹ ہے جس سے دہائی ہوئی خواہشات کو ایک راستہ مل جاتا ہے۔ اور اعصابی تناؤ جو دہاؤ کا نتیجہ ہوتا ہے کم ہو جاتا ہے۔ آرٹسٹ (فنانس) کی زندگی میں دماغ کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے فن کار کی زندگی میں جمیلی تقاضے ایک شعور پر پائے گئے ہوتے ہیں۔ لیکن وجہ ہے کہ ہر فن کار عزت، قوت، دولت و شہرت اور عورت کا خواہاں ہوتا ہے۔ لیکن ان کو حاصل کرنا اس کے بس کا روگ نہیں اس لئے اس کی تمنائیں نا آسودہ رہتی ہیں۔ وہ ان کی تسکین کے لئے حقیقت سے منسوڑ کر اپنی خواہشات کو دماغ کی دنیا میں ایک نئی تخلیق کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ ان خواہشات میں اس لیبیدو (Libido) بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ راستہ بہت خطرناک ہے اور ندراتی آنجنوں سے چلتا ہے۔

ایک عام شخص جس کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ بہت حساس واقع ہوا تھا اس کا اُلجھا ہوا مزاج دیکھ کر خود اسے اور اس کے احباب کا خیال تھا کہ اس کے کردار میں نسانیت ہے۔ وہ

مردان تک دو دو اور لڑکوں کی طرف زیادہ مائل نہ ہوتا۔ وہ فن کار تھا اور خواب و خیال کی دنیا کا بسایا۔ وہ خواب میں اکثر بدکلامی کا مرتکب ہوتا حالانکہ اس کی شعوری زندگی کے اہم ترین عناصر اس کی شرافت، نرمی اور خوش کلامی تھے۔ پریشان رہتا کہ خواب میں وہ کیوں ایسے مناظر دیکھتا ہے۔ جہاں اسے بدکلامی کرنی پڑتی ہے۔ تجزیہ نفس کے دوران میں معلوم ہوا کہ اسے بچپن میں ماں سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن اس کے باوجود کیا محال وہ گھر میں ذرا سا شور کر پائے کہیں چچہ کر گیا کھڑاک ہو گیا یا فرش پر زور سے سے قدم پڑ گیا تو اس کی شامت آ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں کے اس رویے کے خلاف جو غم و حسد اس کے اندر پیدا ہوتا لاشعور میں دبا یا جاتا۔ بخلاف اس کے دوسرے بچے اپنی قسم کے مذاق بدکلامی اور ہڈ بانی سے اپنا دل ہلکا کر لیا کرتے تھے۔

ایک "عام" اور "مہذب" گھرانے کے بچے میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام بچے کو اپنے اظہار کے زیادہ موقع ملتے ہیں۔ اس کے ماحول میں قیود و قہرزی ہوتی ہیں ان پر مذہب کے لوگ جسائی اور جنسی معاملات میں اپنے جذبات کا اظہار بڑی بے باکی سے کرتے ہیں۔ وہ جنس کو اتنی پیچیدگی سے نہیں لیتے جتنا مہذب سوسائٹی میں لیا جاتا۔ قہر قہارے میں اپنی درجے کے تناشائی اپنے جذبات کا اظہار کس "فراخ دلی" سے کرتے ہیں۔

ہر انسان ان تہذیبی قوتوں سے متاثر ہوتا ہے جن میں وہ رہتا ہے۔ یہ قوتیں ہر سوسائٹی میں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت آرٹ (جو لاشعور کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے) کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ہر زمانے میں آرٹ پر قیود ہوتی ہیں اور ہر زمانے میں ان قیود کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ قیود کڑی ہوتی جاتی ہیں۔ ایسا آرٹ جنسی جذبات کے اظہار میں بے باک ہے مگر آج کا آرٹ وہی جذبات اشاروں (Symbols) میں پیش کرتا ہے۔

روزمرہ زندگی میں لاشعور کا دخل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی رفیقہ حیات کے انتخاب میں ان جانے بھنس ایسی جسمانی اور فنی علامات کی تلاش کرتا ہے جو اس کی پیادری ماں، بہن، آلیا کسی اور عورت میں پائی جاتی تھیں جس کا تاثر ابھی تک لاشعور میں موجود ہے۔ بعض اوقات ہم کسی شخص کو دیکھتے ہی اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس کا ہامٹ کوئی ایسی شکل، رنگ، آواز، طور طریقے یا شخصی خصوصیات ہوتی ہیں جو کبھی ہمیں محبوب نہیں مگر لاشعور میں

دفن ہو گئیں۔ جوں ہی ان کا ذرا سا سراغ ملتا ہے ہم اس طرف کھنچ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو ایک مثالی پیکر (عورت کا ہو یا کسی خاص مقام کا) کی جستجو رہتی ہے۔ جب تک ان کی خواہش پوری نہ ہو ان کی زندگی میں ایک غلارہ پتا ہے حالانکہ اس کا انہیں شعور نہیں ہوتا۔

فصل لاشعور کا شعور پر اثر دیکھنے کے لئے کسی پاگل شخص یا ایسے شخص کا جس پر چنانچہ کم کیا گیا ہو معائنہ کرنا چاہئے۔ ان حالتوں میں وہ شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ جنہیں شعور کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی ذہنی حالت ہوتی ہے۔ جب لاشعور اور شعور کی قوتیں ایک دوسرے سے اُلجھتی رہتی ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر ایک مربوط ذہنی رو (Mind-Stream) میں بہنے لگیں تو اُسے دماغی توازن کہا جاتا ہے۔ اس حالت کا پھر آنا بہت بڑی خوشی نصیبی ہے جسے یہ پھر آ جاتے تو وہ اپنی ذہنی قوتوں کو سرتوتوں اور شاو مانی کے حصول میں صرف کر سکتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فن کار اور تخلیقی کام کرنے والے اسی نعمت سے مستفید ہوتے ہیں۔

فن کار اور تخلیقی کام کرنے والے شخص میں یہ دونوں عنصر مل جاتے ہیں۔ جب وہ شعوری طور پر تخلیق کر رہا ہوتا ہے تو اس سے زیادہ اس کا لاشعور مصروف عمل ہوتا ہے۔ پابند یاں اُنھ جاتی ہیں۔ لاشعور اپنی بات کہہ سکتا ہے اور شعوری بڑی فراخ دلی سے اُسے قبول کرتا ہے اُس کی تاویل کرتا ہے اور اسی طرح جو ذہنی اور جذباتی علم اُسے حاصل ہوتا ہے وہ اُسے کام میں لاتا ہے۔ لاشعور اور شعور میں جتنی ہم آہنگی ہوگی اسی قدر زیادہ تخلیقی فن کار آگے بڑھ کر دنیا کے علم اور آرٹ میں اضافہ کرے گا۔ دنیا کا اعلیٰ آرٹ اسی ہم آہنگی کا نتیجہ ہے۔ جب کوئی شخص ان دونوں کے اخراج کے عمل کو بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ تو اپنی استعداد اور تخلیقی قوت سے پوری طرح کام لے سکتا ہے۔

دباؤ

(Repression)

فرائڈس (Psyche) کو ایک ایسا سلج کہتا ہے جس پر قدرتی (ابتدائی) پیچانات اور ان کی ارتقائی صورتیں آپس میں اُلجھتی رہتی ہیں۔ اس میں اصول لذت کو بھی کافی دخل ہے اور یہ اصول خود ابتدائی پہچان ہے اور زندگی کی ابتدا سے ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ بچپن میں اس کا اظہار طبعی، ذہنی اور اثری حلقوں میں بدیہی طور پر ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً خوراک حاصل ہونے سے لذت ملتی ہے۔ ایسے اور کتنے افعال ہیں جن سے بچہ حظ اٹھاتا ہے۔ جہاں تک بچہ اور نشوونما کا تعلق ہے یہ پہچانات ضروری ہیں۔ جب کوئی چیز ان کی راہ میں روک بنتی ہے اور سرت سے محروم کرنا چاہتی ہے تو یہ پہچانات اس روک (دکھ - Pain) کی مزاحمت بڑی شدت سے کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے بعض اوقات لذت دکھ کے ذریعے زیادہ ہو جاتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا سراغ بچے کی پیدائش میں ملتا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو عمر سے تک سانس روکے رکھتا ہے۔ بول دیر اڑھیس کرنا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ان حرکات سے وہ حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بچپن کی یہی علامت بڑی عمر میں بھی کارفرما رہتی ہے اور لوگ اپنے آپ کو دکھ درد پہنچا کر محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ عادت بڑھ کر ایذا پہنچتی اور ایذا اٹھانی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

بچے کی پیدائش میں ایک اور اصول..... فردان کا اصول بہت دور رس نظر آتا ہے یہ اصول لذت سے بھی زیادہ محسوس معلوم ہوتا ہے۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ ہر بچہ حصہ شہود پر آتے ہی رحم مادر کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے جہاں وہ ”قادر مطلق“ تھا اور جہاں خواہشات کے پورا نہ

ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرائض نے اس حقیقت کو آشکار کیا کہ فرد کی نفسی زندگی میں پیدائش کوئی نیا آغاز نہیں بلکہ یہ محض ایک واقعہ ہے جو قبل پیدائش کی حالت میں غفل، انداز ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اپنی شارت اور فوری وقوع پذیر ہوجانے کی وجہ سے بہت خوفناک اور دروانگیر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود رحم مادر کی طرف لوٹنے کا خواہش جس کی وہ عمر بھر تک دودھ کرتا رہتا ہے غبی نہیں۔ اس کی ہیضہ بھی تشنا ہوتی ہے کہ وہ اس حالت کی طرف واپس چلا جائے جہاں وہ کاور مطلق تھا اور یوں وہ ایک بار پھر داخلی اور خارجی قیود سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ واپس جانے کی یہ خواہش انسانیت میں بازگشت کا رجحان بن کر ساکن (Static) اور حرکتی (Dynamic) آدرشوں میں الجھن کا موجب ہوتی ہے۔ دوجہ والا اور لوگ کہانوں کی مطالعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ بہت سی ایسی کہانیاں موجود ہیں جن میں صرف ابتدائی بچپن کی حالت میں ہی نہیں بلکہ قبل پیدائش حالت (رحم مادر) میں جانے کی خواہش صاف نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں فرد کاور مطلق ہی نہیں بلکہ بالکل محفوظ تھا اور بلا خطر لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ جب انسان تشنا کرتا ہے کہ وہ کبھی یوز حادہ ہو تبدیلی حالات سے اُسے دو چار نہ ہوتا پڑے اور اُسے کبھی موت کا سامنا نہ ہو تو یہ وہی بازگشت ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

جہاں تک ہماری روح (Soul) کا داخلی تعلق ہے فرائض کے نزدیک ہم ابھی بچے ہیں چاہے ہیں کہ زندگی بھر بچے ہی رہیں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایک طرف اصول لذت ہے اور دوسری طرف اصول حقیقت ان میں کشش ہوتی رہتی ہے۔ جبلی تھانے لذت کے طالب ہوتے ہیں لیکن صرف لذت زندگی نہیں۔ زندگی گزارنے کے لئے حقیقت سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اگر فرد نے زندہ رہنا ہے تو اُسے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو بنانا ہوگا۔ زمانہ بات ساز و تو بازماند ساز۔ لیکن تو بازماند ساز بہت مشکل کام ہے۔ اس راہ میں مشکلات کے علاوہ دکھ درد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تہذیب کے معیاروں پر اترنے کے لئے ایک سہارا سے طے کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر قدیمی ذہنیت جو اصول لذت کے مطابق بن چکی ہوتی ہے اس میں تبدیلی آتی ہے۔ سارے بیچانات، جذبات، موجد پھار کے طریقے بدلنے پڑتے ہیں اور یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ بڑی عمر میں لوگ چاند کو پکڑنے کے لئے نہیں روتے لیکن دنیا کی دوسری اشیاء کو حاصل کرنے کے لئے کس قدر چناب ہوتے ہیں۔ بات وہی ہوتی ہے صورت بدل جاتی ہے۔

وحشی انسان کی راہ میں جو حائل ہوتا تھا وہ اُسے مار ڈالتا تھا۔ لیکن اب مذہب انسان نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جہالت مٹ گئی ہے بلکہ حالات کے سامنے پیش نہیں جاتی۔ جذبہ برابر اپنا کام کئے جاتا ہے۔ باپ، بھائی، استاد، آقا کے خلاف جو حرکات کی جاتی ہیں وہ اسی کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح سوچ بچار قدیمی ہیجانات احساسات اور خیالات سب کے سب موجود ہیں لیکن بہت بدلی ہوئی اور کمزور و نہیف شکل میں۔ اس کا باعث ایک نفسی طریق کار (Psychic Process) ہے جسے دباؤ کا نام دیا گیا ہے۔

دباؤ کے ذریعے قدیمی ہیجانات، احساسات اور خیالات متواتر دچے رہتے ہیں اور ان کی جگہ وہ نئے ہیجانات، احساسات اور خیالات لے لیتے ہیں جو فرد کی خارجی اور داخلی ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ قہر، لذکر و بچاتے ہیں سننے نہیں اور موقع پا کر معمولی اور بھیانک خوابوں، دایمہ (Tantasy) دیوانگی اور ہڈیاں ایسی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دبے ہوئے خیالات اور خواہشات امن ہوتی ہیں اور لا شعور انہیں بھول کے دامن میں چسپا لیتا ہے۔ اگر یوں نہ ہو تو پھر یہ ایسا بھیج بدلتے ہیں کہ شعور انہیں قبول کرے۔ اس خاص مجروح کی چار مختلف صورتیں ہیں۔

- 1۔ جب دباؤ کامیاب ثابت ہو تو کردار کی نشوونما نہایت اعلیٰ اور سماجی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے ایسی حالت میں کہا جائے گا کہ دہنی ہوئی خواہشات نے "ارتقاء" (Sublimation) کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ بات شاید ایک ایسے شخص کے لئے جو تجزیہ نفس سے نا آشنا ہے عجیب ہو لیکن اس کی صداقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے جو منی اور کچھڑ سے کھیلنے ہیں اپنے بول و براز میں دلچسپی لیتے ہیں یا نہانہ انہیں چاہتے ہیں کہ وہ کریمت اور منی کا کام کرتے ہیں۔ ان میں اکثر مصور اور سنگتراش ہوتے ہیں۔ بھیچن میں ایذا پسند (Sadist) بچے بڑے ہو کر ارتقاء کے ذریعے بہت اچھے سپاہی بنتے ہیں ان میں قاتل جراح سرجن پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے ارتقاء کا عمل شعور کے احاطے سے باہر ہوتا ہے اور اس کا شعوری نتیجہ کسی جنسی دلچسپی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا بلکہ وہی خواہشات

جنہیں دبا یا جارہا تھا دوسرا روپ بھر کر اپنی سرگرمی جاری رکھتی ہیں۔

2- ارتقاع میں وہی ہوئی خواہشات سے قوت حاصل کی جاتی ہے اور یہ قوت اسی جانب بٹے جاتی ہے جس جانب خواہشات کا رخ تھا۔ اس کے متضاد ایک اور طریق کار جسے "تخلیل پذیر" (Reaction Formation) کہا جاتا ہے اپنی قوت ایٹو کی ان مخالفات طاقتوں سے حاصل کرتا ہے۔ جن کا رخ مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ اس کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ خود نمائی کا رجحان ارتقاع پا کر لذت حاصل کرتا ہے تاہم وہی کے ایسے ذرائع ڈھونڈتا ہے۔ جن سے اسے تسکین میسر آئے۔ لیکن "تخلیل پذیر" (Reaction Formation) کی حالت میں یہی رجحان حیا، شرم اور ایسی دوسری صفات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو بچے مثلی میں کھیلنے سے سرت پاتے ہیں ان کا یہ رجحان ارتقائی صورت کے بعد مصوری اور سنگتراشی میں بدل جاتا ہے اور "رد عمل" کی صورت میں یہی صفاتی، سلیقہ مندی، ہنسنا ہلکی بن جاتا ہے۔ رد عمل کے حالت میں عموماً بہتات کا کافی عنصر پایا جاتا ہے۔ خواتین جنہیں گھر کی صفائی کا بہت زیادہ خیال رہتا ہے کہ کچھ دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتی ہیں۔ رد عمل جس قدر شدید ہوگا اسی قدر شدید بیجان پس پردہ کار فرما ہوگا۔ بعض اوقات مثبت اور منفی دونوں رجحان اس بہتات میں یکجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک حالت میں حسرت کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسری میں فرائی کا۔

3- قوتیں جو خواہشات کو دباتی ہیں اور خواہشات جو روپ جاتی ہیں ان کی کشش میں سمجھوتے کی صورت کا نام نیوراسمز (Neurosis) یا اعصابی خلل ہے۔ نیوراسمز کے ذریعے جن خواہشات کا اظہار ہوتا ہے وہ جنسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ارتقاع کے مختلف آن کی جنسی نوعیت بدل نہیں جاتی۔ نیوراتی (اعصابی) بیماری کی صورت اختیار کرنے سے پہلے اس کشش کو کافی حالتوں میں سے گزرتا پڑتا ہے۔ اس لئے نیوراتی

علامات کا مگر تجربہ ان کے معنی سمجھا سکتا ہے۔

4۔ فرد کی ابتدائی زندگی میں جس طرح لاشعوری آنجنوں کا عمل تلاش کیا جاتا ہے اسی پر آئندہ زندگی کے کردار کا انحصار ہوتا ہے۔ کردار کی بہت سی خصوصیات مثلاً عزم، حوصلہ مندی، ہوا پن، محکم گیری وغیرہ انہیں آنجنوں کی سرہون منت ہوتی ہیں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کردار کی خصالتوں میں ناچٹنگل ہوتی ہے اور ان سے لاشعور کی خصوصیات عیاں ہوتی ہیں۔ ایسی حالتوں کے لئے ”نیوراتی کردار“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کیونکہ ایسا کردار نازل کردار اور نیوراتی علامات کے مابین ہوتا ہے۔ جب یہ نیوراتی کردار پختہ ہو جائے تو پھر اس کا بدلنا یا اس میں تغیر و تبدل کرنا بہت محال ہو جاتا ہے۔ :

زبان اور قلم کی لغزشیں

روزمرہ زندگی میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کا نام لیتا چاہا اور وہ نام ذہن سے ایسا اتر گیا کہ کوشش کے باوجود یاد نہیں آیا۔ خط ڈالتے کے ارادے سے نکلے مگر بھول گئے اور یوں ہی کئی دن بیت گئے۔ کسی بات کا جواب ”ہاں“ میں دینا تھا مگر ”نہ“ نکل گیا۔ نہیں کہنا تھا کہہ دیا ”ہاں“۔ دوست سے وعدہ تھا کہ ملاں دن ملیں گے لیکن یاد نہ رہا۔

زبان اور قلم کی ایسی معمولی لغزشیں بے معنی نہیں ہوتیں بلکہ ذہنی زندگی میں ایسی لغزشیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ تجزیہ نفس کی تحقیقات میں ان سے کافی مدد ملتی ہے۔ ایک واقعہ ہے کہ ایک نادار نوجوان نے ایک امیر بیوہ عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور جب اس نے دوستوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کرنا چاہا تو اس کے منہ سے خود بخود یہ الفاظ نکل گئے۔ ”میں ملاں عورت کو“ ”دانا“..... نہیں نہیں میرا مطلب ہے بیاہنا چاہتا ہوں۔“ زبان کی اس لغزش پر ایک قبضہ بلند ہوا۔ لاشعور نے نوجوان کی نیت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اسی سلسلے میں چند مثالیں قابل غور ہیں۔

- ۱۔ ایک مہاں بیوی کے درمیان بکھرے سے شکر رنجی تھی۔ دونوں دل میں ایک دوسرے کی صفات کے قائل تھے۔ اسی دوران میں بیوی نے اپنے خاوند کو ایک کتاب جو اس کے خیال میں بہت دلچسپ تھی پڑھنے کے لئے دی۔ خاوند نے کتاب کو بڑے شکر سے ساتھ قبول تو کر لیا لیکن پڑھنے بغیر اسے کھن رکھ دیا اور اسے یاد نہ رہا کہ کتاب کہاں رکھی تھی۔ اس واقعہ کے کئی ماہ بعد خاوند کی ماں کسی دوسرے شہر میں بیمار ہو گئی۔ بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ بیوی فوراً ساس کے پاس

بچہ کی اور بڑے اشہاک اور غلوں دل سے اپنی بیمار ساس کی خدمت کی۔ ساس بالآخر صحت یاب ہو گئی۔ جب واپس آئی تو خاندان کو بہت خوش پایا۔ خوشی کا باعث ماں کی صحت اور بیوی کی خدمت تھا۔ پرانی شکر رنجی دور ہو گئی تو اسے کتاب کی یاد آئی اس نے تھوڑا ذہن پر زور ڈالا اور کتاب نکال کر پڑھ ڈالی۔ بیوی سے شکر رنجی اور کتاب کے بھول جانے میں تعلق یہ تھا کہ شکر رنجی کے سبب اس نے کتاب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ اس لئے وہ ذہن سے نکل گئی اور جو نئی شکر رنجی دور ہوئی۔ کتاب کو ڈھونڈنا آسان ہو گیا۔

2۔ کسی شخص کے نام میں پونڈ (Pond) بمعنی تالاب کا لفظ بھی شامل تھا۔ یہ نام ایک دوسرا شخص ہمیشہ بھول جایا کرتا۔ تحلیل نفسی کے ذریعے معلوم ہوا کہ لڑکپن میں اسے اپنے ایک کتے سے بے حد محبت تھی۔ ایک دن اس نے تالاب میں پتھر پھینکا تاکہ پانی کے چھینٹوں سے کتے کو ڈرائے بد قسمتی سے وہ پتھر کتے کو چا لگا۔ کتا زخم کھا کر تالاب میں گر ا اور ڈوب کر مر گیا۔ اس سانحے سے لڑکے کو عدد و پند نامست اور دکھ ہوا اور وہ کئی دنوں تک سخت پریشان رہا۔ آخر یہ واقعہ بھول گیا۔ لیکن برسوں بعد اس کی دہلی ہوئی یاد کا اظہار اس طرح ہوا کہ ”پونڈ“ کا لفظ اسے بھول جاتا۔

3۔ ایک دو شیرہ نے اپنی کھلی کو جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی مبارکباد کا خط لکھا اور پہلا فقرہ یوں شروع کیا۔ ”مجھے امید ہے کہ تم غربت سے ہوگی اور بہت ناخوش۔“ یہ قلم کی ذرا سی لغزش ہے لیکن کھلی کے چہرے ہوئے جذبات کا اظہار ہو گیا۔ یہ خود اس شخص سے شادی کرنے کی خواہش منہ تھی۔

4۔ ایک شخص ہمیشہ ایک نیزے لیے راستے سے ہو کر اپنے گھر جایا کرتا۔ اسے خود اس کی وجہ کچھ میں نہ آئی تھی کہ وہ کیوں سیدھے راستے سے نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے قدم خود بخود میلے راستے کی طرف اٹھ

جاتے۔ تجزیہ سے معلوم ہوا کہ اس سیدھے راستے پر اس نے ایک مکان کے دروازے کی ”مٹھی“ پر ایک سیاہ کوٹ لٹکتے دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے راہ سے گزرتا چھوڑ دیا۔ جب ڈر اور کر دیا گیا تو اُسے یاد آیا کہ بھین میں اپنے بڑے بھائی سے سخت نفرت تھی اور وہ اس قسم کا کوٹ پہنا کرتا تھا۔ بھین کی اس دہی ہوئی ناپسندیدہ یاد کا کس عجیب وہ غریب طریقے سے اظہار ہوا۔

ان لغزشوں کو دو اقسام میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

1- حرکی

- (1) زبان، قلم اور اسی قسم کی ایسی لغزش جس کے ذریعے ایک خاص مقصد کا اظہار کیا جاسکے۔
- (2) کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جسے فرد خود نہیں چاہتا۔

2- حسی

(1) بات کا بھول جانا

(2) لفظ تصور، یادداشت یا نگاہ کی لغزش

یہ لغزشیں بادیِ اختر میں محض ذہن کی نارمل حالت میں ایک معمولی سا واقعہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جب گہرائی میں جا کر اس کا سبب معلوم کیا جائے تو اس لغزش کے پیچھے ایک خاص مقصد ہوتا ہے کہ جو اس لغزش کا موجب بنا۔ قرائد نے ان لغزشوں پر تحقیقات کی اور جن باتوں سے فرد خود ناواقف تھا ان کو ان لغزشوں سے ڈھونڈ نکالا۔ ایک شخص جب کسی سے ملاقات کے وقت ملنے نہیں جاتا تو یہ کہہ کر معذرت خواہ ہوتا ہے کہ مجھے بھول گیا تھا ”یا“ بات میرے ذہن سے ہی اتر گئی تھی۔ آپ نے ایسی معذرت کا جواب بھی سنا ہوگا۔ ”صاحب اب آپ کو بھول ہی جانا چاہتے تھا“ ”بھلا اب ہماری یاد کیوں آنے لگی۔“ ”کو یا اس“ ”بھول جانے“ کا کوئی مطلب اور مقصد ضرور ہے۔

گھروں میں جب میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی ہے تو بیوی کی بہت سے باتیں میاں کو یاد

نہیں رہتیں۔ اس سے بڑی جان لیتی ہے کہ میاں چرامش ہے۔ اس طرح ہم کی لوگوں کے نام بھول جاتے ہیں اور اصلی نام کی جگہ دوسرا نام پکارنے لگتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ فرائڈ کی تحقیقات کے مطابق دباؤ کا اثر ہوتا ہے کہ ایک شخص کا نام ہم اچھی طرح جانتے ہیں لیکن ایک خاص موقع پر جب ہم اس کا نام لینا چاہتے ہیں تو اچانک وہ نام ذہن سے اُتر جاتا ہے۔ نام کا اس طرح ذہن سے اُتر جانا محض حادثہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک خاص مقصد ہے جس کی وجہ سے ذہن اس نام کو یاد کرنا نہیں چاہتا۔ ایسا مقصد لاشعوری ہوتا ہے کیونکہ شعوری طور پر یاد کرنے کے باوجود نام یاد نہیں آتا۔ جو صاف بتاتا ہے کہ اس نام سے ناچندیدہ یادیں وابستہ ہیں۔ جو لوگ اس بھول کو حافظے کا نقص سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ذہن کا عمل ہے جو شعوری طور پر ہوتا ہے۔ حسن لطفی کا ایک شعر سنئے۔

واہستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں

اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

جب تجزیہ نفس کے ذریعے ان لغزشوں کا مطلب واضح ہوا تو اس سے دو اور باتوں کا پتہ چلا۔ اول یہ کہ تمام ذہنی امراض (Neurosis) کا انحصار لیان پر ہوتا ہے اور ہسٹریا کے بعض مریضوں میں بھی بھول جانا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک مریض اپنا نام اپنی شناخت اور گزشتہ زندگی کا حال تک بھول جاتا ہے۔

فرائڈ کے نزدیک بچوں کا کسی بات کو بھول جانا بھی بالمشق ہوتا ہے۔ بھولنے والا اُس بات کو ذہن سے نکال دیتا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے بچپن کی اکثر باتیں بھول جاتے ہیں اور یاد کرنے کے باوجود انہیں یاد نہیں کرتے۔ شاید کبھی کوئی یاد آ جائے حالانکہ اس زمانے میں ہمارا ذہن تجربات کے لحاظ سے درخیز ہوتا ہے۔ فرائڈ کی تحقیقات سے پہلے بچوں کی ذہنی زندگی کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اُس نے اس زندگی میں ایسے نتائج مرتب کئے جن پر ہماری آئندہ ذہنی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔

ہم نے مثال دی ہے کہ ہم خط ڈاک میں ڈالنا بھول جاتے ہیں اور پھر ایک ایکی ہمیں یاد آ جاتا ہے کہ خط نہیں ڈالا گیا۔ تحقیقات نے بتایا کہ اس بھول کا تعلق خط کے مضمون سے ہوتا ہے۔ بھول جانے کے کئی شعوری بہانے تراشے جاسکتے ہیں۔ "ملاں کام تھا" جلدی میں یاد نہ رہا لیکن حقیقت اور ہوتی ہے لاشعور نہیں چاہتا کہ وہ خط ڈاک میں ڈالا جائے اس لئے اس نے شعور سے

اس کی یاد کو مٹا دیا۔ لوگ اکثر مانگنے کی سن میں واپس کرنا بھول جاتے ہیں جب یاد دلایا جاتا ہے تو بہانے تراشتے ہیں۔ حالانکہ اس بھول میں قبضے کی لاشعوری خواہش ہوتی ہے اور کتاب واپس کرنے کو جی نہیں چاہتا۔۔۔

ان لغزشوں کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی ایک بھجان دوسرے میں دخل اندازی کرتا ہے۔ شعوری طور پر کبھی کوئی نکتہ لکھا جا رہا تھا تا کہ اُسے مبارک باد دی جائے اور لاشعور نے "غرض" کی بجائے "ناغرض" کا لفظ لکھ کر غمازی کر دی اور چھپے ہوئے جذبات کا اظہار ہو گیا۔ ماہر لسانیات کے نزدیک شاید الفاظ "نا" کے پیچھے ایک پوری کہانی لاشعور میں مدفون ہے۔ تجزیہ کار کے کلینک میں ایسی مثالیں عام ملتی ہیں۔ معمول نے جواب میں ذرا سی لغزش کا اظہار کیا اور تجزیہ کار نے اس کے ذریعے لاشعور کو دیکھ لیا۔ شعور کے میلے بہانوں کے باوجود لاشعور شعور کا پر دور نری طرح چاک کرتا ہے۔

بعض حالتوں میں فرد سے نہ صرف فطری سرزد ہوتی ہے بلکہ وہ ایسی جسمانی حرکات کا سرکب ہوتا ہے جو اس کے شعوری فضا کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ وہ اگرچہ بلا ارادی طور پر ایک فعل کا ارتکاب کرتا ہے لیکن ایسا کرنے کی اُسے بالکل خواہش نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں جہاں اتفاقاً پانی کے گلاس کا گر کر ٹوٹ جانا آتا ہے (جس سے ناراضی کا اظہار ہوتا ہے) وہیں مہلک حادثات بھی ہیں جو بلا ارادہ اتفاقاً وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے حادثات جن میں ریل گاڑیاں ٹکرا گئیں، کاریں اُٹیں، پاؤں پھسلے۔ جب ان کا تجزیہ کیا گیا تو یہ حادثات جو بے اختیاری فعل کا نتیجہ معلوم ہوتے تھے دراصل لاشعوری بھجان۔۔۔ جس میں قتل خود کشی ایسے رجحان شامل تھے کا اظہار ثابت ہوئے۔۔۔

جنس

یہ مسئلہ امر ہے کہ انسان اور حیوان میں ایک جنسی جبلت بھی ہے۔ اس جبلت کی وہی حیثیت ہے جو بھوک کی جبلت کی ہے۔ خوراک سے بھوک کی جبلت تسکین پاتی ہے اور جنس کی خواہش پورا ہونے سے یہ جبلت آسودہ ہوتی ہے۔

جنسی جبلت کی حقیقت اور خصوصیات کے متعلق عام طور پر چند مخصوص نظریات پائے جاتے ہیں۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ بچپن میں یہ جبلت مفلوج ہوتی ہے اور بلوغت کے زمانہ میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جنسی رغبت کی شدت جو شباب میں رونما ہوتی اور دونوں جنسوں کو بے قابو کر دیتی ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس جبلت کا مقصد صرف جنسی ملاپ یا ایسے افعال ہیں جو اس ملاپ کی طرف راہنمائی کریں۔

تجربہ نفس نے جنس کے مسئلے پر ایک زاویے سے روشنی ڈالی ہے اور اس روشنی میں ذہنی اعمال کا جائزہ ہمارے سامنے نئے نئے مسائل لا رہا ہے جن کے حل سے ہماری ذہنی زندگی میں ایک نیا انقلاب آتا ہے۔ اب تک عام لوگ جنسی مسائل میں محض لذت اندوزی کے لئے دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں ان کے لئے جنس محض جلیبی تسکین کا نام تھا۔ مگر اب ایسا نہیں۔ کیونکہ فرانز نے جن حقائق کو آشکار کیا ہے وہ اتنی تلخ اور المانک ہیں کہ ایک عام آدمی ان کی تاب نہیں لا سکتا۔ جب ہم ایک شخص کو یہ کہتے ہیں وہ اپنے ذہن میں اپنی ماں کے متعلق "غیر پاک" محبت کے جذبات رکھتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ وہ شخص اسے برا مانے گا۔ ہمارے سماج کے نزدیک ماں سے محبت کرنا ایک پاک جذبہ ہے جو کوئی اس محبت میں جنس کے دخل کو ظاہر کرنا وہ شخص یا تو فاجر العقل ہے یا اس کے ذہن میں برے خیالات ہیں اور اس لئے وہ قابل علاج ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسانی ذہن جلی طور پر ہر اس حقیقت کے خلاف آواز اٹھاتا ہے جو اس کے

تصورات اور مسلمات کے خلاف ہوں۔ بخلاف اس کے تجزیہ نفس کی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ ہمارے سماج کا سارا اخلاقیاتی اور سوشل ڈھانچہ ایسی بنیادوں پر قائم ہے جو محکم نہیں ہیں گو اس ڈھانچہ کی ظاہری شان و شوکت مرعوب کئے دیتی ہے۔ مگر حقیقت میں اس مسخین عمارت کے اندر بہت بد صورت مصالغ لگے ہوئے ہیں۔ جو نئی یہ مصالغ اتر جاتا ہے تو اندر سے اصل چیز نظر آنے لگتی ہے۔ ایک شخص جو ایک خوبصورت مکان میں آرام سے رہ رہا ہو وہ بھلا کب چاہے گا کہ دیوار کا پلستر اتار کر نیچے کے مصالغ کو دیکھتا پھرے۔ ہاں جب کبھی کسی دیوار کا پلستر اتر جاتا ہے اور کوئی جگہ لگی ہو جاتی ہے تو پھر اس گھر کا کمین دیوار کی اس شکل پر توجہ کرتا ہے۔ یہ مثال دینی بیارہ صادق آتی ہے اور تجزیہ کار اس انجینئر کی مانند ہوتا ہے جو دیوار کا پلستر اتار کر اس مصالغ کو دیکھتا اور یہ کہتا ہے۔ جس سے دیوار میں بنائی گئی ہیں۔ انجینئر کی رائے کو اس لئے رد کر دینا کہ وہ آپ کی رائے سے مختلف ہے۔ سمجھداری نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے علم اور تجربے کی وجہ سے آپ سے بہت زیادہ جانتا ہے پھر اسے کیا پڑی ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایسی باتیں کہے جو درست نہ ہوں۔

جب تجزیہ کار کہتا ہے کہ ہمارے فلاں فصل کے پھل پر وہ جنس کی جبلت کا رد فرما ہے تو اسے رد کر دینا درست نہیں کیونکہ وہ بھی اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں یہ کہتا ہے۔ فرائڈ نے جب جنس کے بارے میں اپنی تحقیقات شائع کی تو اس نے اس سے قبل اپنے سرینوں میں اس کے مظاہرے دیکھے تھے۔ اس نے ان تحقیقات سے نظریات قائم کئے ہیں اور آج وہ نظریات ایک سائنس کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ بعض لوگ شاید ان نظریات کو دیکھ کر کہیں کہ ہماری زندگی میں جنس کا اس قدر دخل کیوں ہے؟ تو اس تجزیہ نفس کو کوئی سروکار نہیں اس کا کام تو یہ ہے کہ وہ بتائے کہ جنس موجود ہے اور وہ کس طرح اثر ہوتی ہے۔

سماج کی طرف سے جنس کے مختلف پہلوؤں پر ہماری قیود عائد کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ عام بول چال میں بد اخلاقی اور جنس مترواف الفاظ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں گناہ کا خیال جنس سے منسوب کیا گیا ہے اور اس کے خلاف اخلاق کے نام پر بہت سختی روا رکھی جاتی ہے۔ یہ ساری قیود کیا ہیں؟ داخلی جنسی دباؤ کا اک پر تو۔ جب ہم اس دباؤ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جن خیالات کو دبا دیا گیا ہے وہ کسی قدر شدید اور قوی ہیں۔ اس داخلی دباؤ کا بیشتر حصہ لاشعوری ہوتا ہے۔ جنس کے خلاف جس قدر شعوری طور پر تعصب پایا جاتا ہے۔ لاشعوری تعصب

اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے جنس کا حصہ شعور میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس سے بدرجہا زیادہ وہ لا شعور میں عمل پیرا ہوتا ہے۔

جنس کے مسئلے کا سب سے قابل اعتراض حصہ بچپن میں جنس کی موجودگی کا ہے۔ اس کی طرف ہم نے شروع میں اشارہ کیا ہے۔ فرائڈ نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو ایک کھرام جج گیا۔ کیونکہ اب تک یہ مسلمات میں سے تھا کہ جنسی جبلت کا اظہار مغوان شباب میں ہوتا ہے۔ لڑکیاں اس وقت اس جبلت سے آگاہ ہوتی ہیں جب وہ رشتہ ازدواجی میں منسلک کر دی جائیں۔ اگر کبھی جنس کا مظاہرہ بچپن میں ہو جاتا تو اسے بیماری سمجھا جاتا بخلاف اس کے فرائڈ نے کہا کہ بچے اپنی جنسی دلچسپیوں کو اپنے آپ سے چھپاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر بڑوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ جہاں تک بڑوں کے رویے کا تعلق ہے وہ یا تو بچوں کی حرکات سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں یا وہ انھیں ”شرارتی“ قرار دے کر قابل سزا گردانتے ہیں۔ حقائق سے آنکھیں بند کر لینا حقائق کا بطلان نہیں ہے۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ بچوں میں جنسی افعال کی موجودگی ان کے جسمانی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ان کی عادات، تجسس، محبت اور حسد کی تشکیل کرتی ہے۔ فرائڈ نے دعویٰ کیا ہے کہ جس وقت بچہ اس دنیا میں آتا ہے اسی لمحے سے جنسی جبلت سرگرم عمل ہو جاتی ہے اور آخری دم تک اپنا کام کئے جاتی ہے اس کے اعمال کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ مختلف اشکال میں سامنے آتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اس جبلت کو اس کے اعمال کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے۔ جنس کے اعمال کو صرف اعضائے مخصوص تک محدود رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ اب تجربہ نفس کے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن میں جسم کے دوسرے حصے لب، چھاتیوں وغیرہ انھیں خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں جو اعضائے مخصوص سے متعلق ہیں۔ بعض حالتوں میں ضمنی اعمال اتنی ہی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں جو جنس کے مرکزی عمل کو حاصل ہوتی ہے۔

تجربہ نفس کی رو سے جنس کی جبلت بہت پیچیدہ ہے۔ یہ کئی مرکبات کا مجموعہ ہوتی ہے جو بلاخر ایک وجود میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مرکبات ایک وجود اختیار نہیں کر پاتے۔ ایسی حالت میں اس جبلت کو نشوونما کے لئے کافی عرصہ بکار ہوتا ہے جس کے دوران میں کئی مشکلات آتی ہیں نشوونما کی کمی رہ جاتی ہے یا کسی خاص مقام پر آ کر یہ نشوونما رک

جاتی ہے۔ اس سارے عمل میں اس نشوونما کو دوبار ایک ہی حالت میں گزرتا پڑتا ہے۔ یہ حالت گو مجبب ہی معلوم ہوگی۔ پہلی حالت بچپن کا زمانہ ہوتا ہے جو پانچ برس سے کم عمر تک رہتا ہے۔ دوسری حالت سن بلوغت سے قبل ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کے زمانے (Latency Period) میں اس جہلت کی نشوونما میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ نشوونما کی ان دونوں حالتوں کے تعلقات نہایت دلچسپ ہوتے ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ یہ دونوں ایک ایسے نہیں ہو سکتے کیونکہ بچے اور جوان کے جسم اور ذہن میں فرق ہوتا ہے۔ مذہبی فرد کی عمومی نشوونما نسل کے ارتقاء کا سادہ اعادہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دونوں حالتوں میں کائناتی متوازنیت ہے اور دوسری حالت میں جو نشوونما ہوتی ہے اس کا انحصار زیادہ تر پہلی حالت پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سن بلوغت کے بعد جنسی نشوونما بیسیوں صورتیں اختیار کر لیتی ہے وہ افراد کبھی ایک ایسے طریق پر نشوونما نہیں پاتے۔ بلکہ وہ راستے جن پر یہ نشوونما ہوتی ہے ان کی تفصیلات حیران کن ہوتی ہیں اور ان کی بنیادیں بچپن کے ابتدائی دور میں ہی رکھی جا چکی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلوغت کے سن کی کسی لفظی کا سمجھنا یا اُسے درست کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ جب تک ہم پہلی صورت یعنی بچپن کو پیش نظر رکھ کر ان اثرات کو نہ جانیں جنہوں نے دوسری صورت کا تعین کیا۔ بچپن کے زمانے پر اس قدر دباؤ ہوتا ہے کہ اس زمانے کی یادیں بھول جاتی ہیں۔ اُن سے ایک حصہ جو شعور سے تعلق نہیں رکھتا تجزیہ نفس کے ذریعے لاشعور میں سے ابھارا جاسکتا ہے۔

جنس کی نشوونما میں پہلا دور وہ آتا ہے جب بچہ چوٹے لگتا ہے۔ یہ دور وہ چھٹا محض بھوک کی تسکین کے لئے نہیں بلکہ وہ اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ایسی حرکات کرتا ہے جو اس لذت کا اظہار کرتی ہیں۔ پہلے پہل اس کی یہ حرکات ماں کی چھاتی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ آپ نے بار بار دیکھا ہوگا کہ جب بچہ رو رہا ہے تو اس کی ماں اپنی چھاتی اس کے منہ کے قریب لے جاتی ہے تو بچہ چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے بچے کی جنسی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں بچے کی جنسی خواہش اس کی خوراک کی خواہش کے ساتھ ملتی ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں یہ خواہش خالصتاً جنسی ہو جاتی ہے۔ ہر ماں اور دایہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ بچہ بار بار انگوٹھے کو منہ میں رکھ کر چوستا ہے۔ اس چوسنے میں خوراک حاصل کرنے کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ یہ محض لذت کے لئے ہوتا ہے اس کی ساری توجہ اسی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ عموماً اس سے بچے

سو جاتے ہیں۔

بچوں میں جنسی خواہشات کا انکشاف فرمائڈ نے ہی نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے ہنگری کے مشہور ڈاکٹر لیبٹز نے کیا۔ اس نے اپنی تحقیقات میں اس جنسی سرگرمی پر بہت زور دیا ہے۔ اس کے ہاں بچوں کی پرورش گاہ (نرسی) میں اکثر انگوٹھا چوسنا بھی دوسری جنسی شرارتوں کی طرح ایک شرارت قرار پائی تھی۔ فرمائڈ نے انگوٹھا چوسنے کو نہ صرف جنسی سرگرمی قرار دیا بلکہ ثابت کیا کہ اس کے ذریعے ہم بچپن کی جنسی سرگرمیوں کے اجزاء کا مطالعہ بلا واسطہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر گلفٹ نے ایک نوجوان لڑکی کے اعترافات میں لکھا ہے کہ ”وہ ابھی انگوٹھا چوسنے کی عادی ہے اور اسے اس سے ویسی ہی لذت محسوس ہوتی ہے جیسی جنسی تسکین سے خصوصاً اپنے محبوب کو بوسے دینے میں اس لڑکی نے بتایا کہ بوسہ دینے میں وہ لذت کہاں جو انگوٹھا چوسنے میں میسر آتی ہے۔ انگوٹھا چوسنے وقت لذت کی جہلہر سارے بدن میں دوڑ جاتی ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس دنیا سے دور کہیں چلی گئی ہوں۔ میرا دل مسرتوں اور خوشیوں سے لہریز ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت کے احساسات کو بیان نہیں کر سکتی یہی جی چاہتا ہے کہ مکمل خاموشی ہو اور خاموشی کو توڑنے والا کوئی نہ ہو۔ کتنا عجیب سا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں نہ تو دکھ کی یاد ہوتی ہے اور نہ کسی غم کی۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا میں کسی دوسری دنیا میں چلی جاتی ہوں۔“^۱

اس سے بچے کو اکثر ناخن چہاتے یا ایسی ہی کوئی حرکت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ دور عموماً تین برس کی عمر تک رہتا ہے۔ اس میں بچے کی تمام جنسی خواہشات منہ کے ذریعے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ بالغ ہونے پر یہی خواہش بوسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ حقیقت میں بوسہ دینے اور چوسنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں صورتوں میں جنسی خواہش منہ سے ہی پوری ہوتی ہے۔ تین سال کے بعد بچے میں شہوت کے آثار بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ انگوٹھے کی بجائے اپنے عضو مخصوص سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اکثر دفعہ بعد میں یہ لذت خود کاری یا ایسی اور عادت میں بدل جاتی ہے یہ بچے کی جنسی زندگی کا دھڑا دور ہوتا ہے۔ اس دور میں لڑکیاں اپنے مخصوص اعضاء کی رگڑ سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں کھیلنے وقت ایک دوسرے کے مخصوص اعضاء دیکھنے یا اور مختلف حرکات سے سرور حاصل کرتے ہیں۔ اکثر وہ ایک دوسرے کے اعضاء کے

متعلق باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ پینٹاب کرتے یا کسی دوسرے کو ایسا فعل کرتے دیکھنے سے بچنے کی جنسی خواہش شہوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ خواہش بعد میں ہم جنس پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرے دور میں جنسی ہنڈ پناہی انتہائی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس دور میں بعد میں جا کر کسی دوسری مخالف جنس کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اس دور میں اعضاء مخصوص زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اہمیت زندگی بھر برقرار رہتی ہے۔ بچہ جان لیتا ہے کہ ان اعضاء کا مقصد محض لذت نہیں بلکہ تولید بھی ہے جس دور میں ذہن کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ محبت اور پیار بھی ترقی کرتے ہیں۔

جنس کی جبلت کی مندرجہ بالا صورتوں کی روشنی میں ہمیں تین ادوار کا پتہ چلا ہے۔ پہلے دور کا نام (Auto-Eroticism) رکھا ہے۔ اس دور میں کوئی دوسری ذات موجود نہیں ہوتی جس سے وہ تسکین پاسکے۔ اس لئے بچہ اپنے جسم سے جنسی آسودگی حاصل کرتا ہے۔ اس دور میں اسے اپنی ذات یعنی انا کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب دوسرا دور شروع ہوتا ہے تو اس میں ترسکیت لمسیدہ ہو جاتی ہے۔ اس کی ایگو (Ego) ارتقائی منازل طے کرتی ہے اور جبلت کی تسکین خود بچے کے ایگو سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یہ رجحان تا زبست موجود رہتا ہے۔ تیسرے دور میں بچہ اپنی جنسی تسکین کے لئے خارجی دنیا میں کسی اور ذات کی تلاش کرتا ہے تا کہ وہ نہ صرف اپنا پیارا اسے دے سکے بلکہ اس کے شعوری اور لاشعوری جنسی تصورات آسودگی پائیں۔ ظاہر ہے کہ بچے کی ہیردنی دنیا کا احاطہ پہلے پہل اپنے کنیز تک محدود ہوتا ہے اور وہ ان سے جنسی لذت کا آکساب کرتا ہے۔ اس زمانے میں بچے کی لذت حاصل کرنے کی خواہش میں وسعت آ جاتی ہے اور اس کی محبت کا پہلا مرکز ماں ہوتی ہے اور جیسے جیسے اس محبت میں پھیلاؤ آتا ہے۔ لڑکا اپنے باپ کو رقیب سمجھ کر حسد و رقبت، نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔

1۔ یونانی طہ لاسنام کا ایک قصہ ہے کہ ڈرگس ایک خواہشور تہ جوان تھا جو تالاب میں اپنا سایہ لگے کر خود ہی اپنے اوپر عاشق ہو گیا۔ اس نے اپنے گھس کو پکڑا تا جا اور تالاب میں پھلانگ لگا دی اور ڈوب گیا۔ بحر تالاب کے کنارے ایک پورا مودہ ہوا جس کے پھول تہ جوان کی آنکھوں ایسے تھے اور اس پودے کو ڈرگس کا نام دیا گیا ہے۔ فرانز نے اس سے ترسکیت کی اصطلاح وضع کی ہے۔

لیکن وہ ان جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے ذہن میں الجھن ہی پیدا ہونے لگتی ہے۔ جسے فرائد نے ایڈی بس الجھن کا نام دیا ہے۔ یہ نام بھی یونانی صمیات سے لیا گیا ہے۔ ایڈی بس کا قصہ یوں ہے کہ:

قدیم یونان میں ایک ریاست بزناس کی تھی۔ اس کا ایک بادشاہ یوس نامی گذرا ہے۔ اُسے ایک استخارہ کے جواب میں یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ یہ معلوم کر کے اُسے سخت الجھن ہوئی اور جب اس کی بیوی جو کاسا کے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اپنے مقدر سے بچنے کے لئے بچے کے دونوں پاؤں برائے انھیں ملا کر باندھ دیا اور پھر اس ہونے والے قاتل کو کوہ سحیر دن پر ڈالوا دیا۔ ایک چرواہا دھڑے گذرا اُس نے بچے کو یوں پڑا دیکھ کر اٹھا لیا اور اُسے کورنٹھ کے قصر شای میں پہنچایا۔ جہاں اس کا نام ایڈی بس رکھا گیا کیونکہ اس کے پاؤں سو بے ہوئے تھے اس کی پرورش کورنٹھ کے شای جوڑے نے مثل اپنی اولاد کے کی۔ لیکن جب وہ جوان ہو گیا تو ایک کورنٹھی نے اس کی نجابت اور حسب و نسب کے متعلق کچھ شکوک ظاہر کئے جن سے براہِ حجت اور دل گرفتہ ہو کر وہ دلی پیچھا تاکہ وہاں دارالاستخارہ میں دیکھتا ہے اس باب میں مشورہ کرے۔ یہاں اُسے یہ اطلاع ملی کہ وہ اپنے باپ کو قتل اور اپنی ماں سے بیاہ کرے گا۔ وہ بھٹکتا تھا کہ پولی بس شاہ کورنٹھ اس کا باپ اور میر پولی وہاں کی ملکداس کی ماں ہے اور نہیں چاہتا تھا کہ باپ کے خون میں ہاتھ رنگے اور ماں کا شوہر بنے۔ لہذا اُس نے کورنٹھ چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے عزم پر عمل کرتے ہوئے وہ تھی بزن کے راستہ پر چل رہا تھا کہ ایک رتھ اُسے ملا جس کے رتھ بان نے اُس سے بانداز حکم راستہ چھوڑ دینے کے لئے کہا۔ شاہی خون اس گستاخی پر فوراً جوش میں آ گیا اور اس نے رتھ بان اور رتھ کے سوار دونوں کو اسی جگہ ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد وہ شہر تھی بزن کے قریب آیا۔ یہاں ایک عجیب الحقت مخلوق رہتی تھی۔ جس کا سر عورت کا تھا اور دھڑ بھڑکا اور اس کے دو پر تھے۔ وہ ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی تھی وہیں سے ہر شخص سے ایک سوال کرتی تھی اور جو اس سوال کے حل کرنے میں ناکام رہتا اُسے چٹ کر جاتی تھی ایڈی بس بھی اس کے پاس آیا جس کے سامنے وہی معراج پیش ہوا۔ "ایک ہستی ایسی ہے جس کے چار پاؤں ہیں دو پاؤں ہیں تین پاؤں ہیں اور صرف ایک آواز اس کے پاؤں کی تعداد میں نہیں۔ لیکن جس قدر یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے اس قدر وہ ہستی کمزور ہوتی جاتی ہے۔"

ہوشیار ایڈی بس نے جواب دیا۔ ”انسان کیونکہ وہ بچپن میں گھنٹوں چلتا ہے بڑا ہو کر دو پاؤں پر سیدھا کھڑا رہتا ہے اور یوڑھا ہو کر عصا کی مدد لیتا ہے۔“ اس پر دہونی خود نے کٹھنی کر لی۔ تھی بڑا نلوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا بادشاہ کسی مظلوم شخص کے ہاتھوں مارا گیا تو انہوں نے یہ طے کیا یہ جو شخص انہیں مذکورہ بالا دہونی سے نجات دلانے کا اُسے وہ اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اس طرح ایڈی پیش کو شاہی تاج اور بیوہ ملکہ کا ہاتھ یہ دونوں چیزیں بھرتا آئیں۔ بیٹے کو اس کی خبر نہ تھی کہ اس کی شریک حیات اور کوئی نہیں بلکہ اُس کی ماں ہے اور ماں اس سے قطعاً نابلدہ اس کی کشتی حیات کا پر شباب ملاح اور کوئی نہیں صرف اس کا اپنا بیٹا۔ زندگی نہایت امن و سکون سے بسر ہو رہی تھی۔ باہمی لطف و محبت کی کئی زندہ یادگاریں بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ ایک واقعہ پیش آیا۔ تھی بڑی ریاست میں پلنگ پھوٹ چڑا اور کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ایڈی بس نے دارالاستقرار سے رجوع کیا۔ جواب ملا کہ جب تک شاہ مقتول کا قاتل ملک بدر نہ ہوگا پلنگ بدستور جاری رہے گا۔ اس بارہ میں شاہ نے عیب گیر قصیر سیاسی سے مشورہ کیا جس سے اُسے معلوم ہو کر رحم کا سوار مجھے اول الذکر نے موت کے گھات اتارا لیوس تھا اس کا اپنا باپ اس اطلاع سے اُس پر بخلی گری اور اُس نے اپنی آنکھیں نکال ڈالیں۔ جو کاشٹانے خود کٹھنی کر لی۔

فرانڈ نے اس قصے کو بچے کی زندگی میں کارفرما دیکھا ہے اور اس کی مناسبت سے اسے ایڈی بس اُبھن کا نام دیا ہے۔ تجزیہ نفس نے دریافت کیا ہے ہر ایک انسان کی زندگی میں ایڈی بس کا قصہ ہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی سب سے پہلی محبت اپنے والدین یا ان کے قائم مقام کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ لڑکا پیدائش کے وقت سے ہی ماں کی شفقت سے فیضیاب ہونے لگتا ہے۔ اس کی جسمانی ضروریات کا ماں خیال رکھتی ہے اُسے لاڈ بیاہ کرتی ہے اور یوں ان جانے وہ بچے کے جسم کے ایسے حصوں میں تحریک پیدا کرتی ہے جو اس وقت جنسی لذت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک سنسنی پیدا ہوتی ہے جو اُسے ماں کی طرف اور زیادہ مائل کر دیتی ہے۔ بچہ دیکھتا ہے کہ اس کی ماں کی محبت اور توجہ کا ایک اور مرکز بھی ہے اور وہ اس کا اپنا باپ ہوتا ہے جو اس کی ماں کو بچپن لیتا ہے۔ یہاں سے بچے کے اندر باپ کے خلاف رقابت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بچے کے ذہن میں اُبھن ہی ہوتی ہے خارجی ماحول سماجی حالات اخلاقی بندشوں کی وجہ سے وہ باپ کے خلاف اپنے جذبے کا اظہار نہیں کر سکتا اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ جذبہ اس کے لاشعور میں دب

جاتا ہے۔ بچے کی آئندہ زندگی اور اس کے کردار کی تشکیل کا سارا انحصار اسی اُبھن پر ہوتا ہے۔

یہ اُبھن لاشعور میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ تجربہ نفس کی ساری معلومات میں یہ دریافت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے خلاف جہاں فرد کی داخلی حرمت ہوتی ہے۔ وہیں خارجی طور پر سب سے زیادہ اعتراضات اس پر کئے گئے ہیں۔ ان سارے اعتراضات پر جب غور کیا گیا کہ کیوں اس خاص دریافت کی اس قدر مخالفت اور حرمت کی گئی ہے تو اس کا باعث خود یہ ایڈی پس اُبھن تھی۔ تجربہ نفس کے سارے نظریات اس ایک دریافت کے گرد گھومتے ہیں یہ وہ بنیادی صداقت ہے جس کا بطلان ساری تحریک کو بلیا مٹ کر دے گا۔

یہ اُبھن ایک کٹھنی ہے جس سے ہم نوجوان کی ساری مشکلات کو سمجھ سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی مشکلات کوئی تھوڑی نہیں ہیں۔ اگر ان کا حل ہو جائے تو سماج کی حالت بدل سکتی ہے کون نہیں جانتا کہ عشقوان شباب میں ہر نوجوان کو جنس، شادی، ازدواجی تعلقات، سماجی مسائل، طوائفیت، برتھ کنٹرول، حسد، رقابت، مشق اُبھنوں، مختلف کج رویوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ آج تک ان اُبھنوں کا حل تو کیا ان کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں جا سکا تھا۔ یہ تجربہ نفس کی تحقیقات کا بنی نوع انسان پر احسان ہے کہ اب ان ہمارے مسائل کو نئی روشنی کی راہ نمائی میں سمجھا اور حل کیا جا سکتا ہے۔ ایڈی پس اُبھن دراصل ازلی نمون ہے جس میں باپ بیٹا اور ماں مل کر اس نمون کو پورا کرتے ہیں۔

خواب

ذہنی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم نے لاشعور کی گہرائی کی تھوڑی سی جھلک دیکھی ہے۔ اسی سلسلے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خواب کا ہماری ذہنی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق بچپن سے لے کر عمر کے آخری لمحات تک قائم رہتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خواب ہمیں کسی اور دنیا میں لے جاتی ہے جو بعض اوقات تو اتنی دلچسپ ہوتی کہ بیدار ہونے پر ہماری یہی خواہش ہوتی کہ کاش وہ حالت بدستور رہتی۔ لیکن بعض دفعہ برا خواب دیکھنے کا اثر کی کئی دنوں تک باقی رہتا ہے اور اس کی یاد ہم پر لرز طاری کر دیتی ہے۔

خواب کا مسئلہ بہت پرانا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہو سکا ہے کہ فرائڈ کے پیش نظر قدما نے فرض کر لیا تھا کہ خوابوں تعلق ان کا فوق الفطرت معنیوں سے ہے جن میں وہ یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک خواب دیوتاؤں یا شیطان کی طرف سے الہام ہوتے تھے۔ علاوہ ازین ان کا خیال تھا کہ خواب دیکھنے والے کے لئے ایک خاص مدعا رکھتے ہیں اور یوں وہ اصولاً مستقبل کی پیش گوئی کرتے ہیں۔۔۔ قدیم ملاسٹروں نے خوابوں کی جو شخصیں کی اس کا انحصار قدرتی طور پر اس اہمیت پر تھا جو وہ پیشین گوئی کو خاص طور پر دیتے تھے۔

”ابسطو نے اپنی تصانیف میں خواب کا ذکر کیا ہے اور قدما کے خیالات کی تردید کی ہے کہ خواب کوئی الہام نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق انسانی قوانین سے ہے نہ فوق الفطرت مظاہرات سے۔ اس نے خواب کی تعریف یوں کی ہے کہ خواب خوابیدہ انسان کے نفسیاتی فعل کا نام ہے۔ اربسطو خوابی دنیا کی کچھ خصوصیتوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ مثال کے طور پر اُسے یہ معلوم تھا کہ خواب ایک ہلکے سے احساس کو شدید محسوسات میں بدل دیتا ہے (اگر شخص کے جسم کے کسی حصے کو تھوڑی سی

1. ”تفسیر خواب“ مسکوڈ فرائڈ۔

گرمی پہنچے تو اسے خواب میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ آگ میں سے گزر رہا ہے اور حرارت محسوس کرتا ہے۔ اور سٹو کا کہنا ہے کہ قائل طبیب کو مریض کے خواب پر غور کرنا ضروری ہی نہیں بلکہ خوابوں سے اصل مراد یعنی بھی لازمی ہے۔"

خواب کی ماہیت اور حقیقت کے متعلق علماء کے مختلف خیالات ہیں۔ اکثر تو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خواب چونکہ بد خوابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے خواب پر ہم مزید روشنی نہیں ڈال سکتے۔ بخلاف اس کے عوام میں ایک راسخ خیال پایا جاتا ہے کہ خواب اس آئینہ آئے والے واقعے کا انکسار کرتا ہے جس کی ضد ہو یعنی خواب میں اگر بارات نظر آئے تو اس سے یہ مطلب لیا جائے گا خواب دیکھنے والے کا کوئی عزیز مر جائے گا۔ کسی کو مرانا ہو اور یکنا خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اس کلمے سے صحیحہ خوابوں کی تشریح اور تعبیر نہیں ہو سکتی۔

سنگھٹہ فرائڈ کو لاشعور کی تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا کہ تمام خواب زمانہ ماضی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ہماری ان نا آسودہ خواہشوں کی تکمیل گاہ ہیں جو بیداری کے عالم میں پوری نہیں ہو سکتیں۔ وہ خواب میں پوری ہو کر سرور حاصل کر لیتی ہیں۔ تجربہ نفس کی روشنی میں یہ نظریات خواب کا بنیادی اصول بن گیا ہے۔ جس کی مدد سے ہر قسم کے خوابوں کا تجربہ اور تعبیر کی جا سکتی ہے۔

خواب اور روزمرہ کے واقعات کا چوٹی واسن کا ساتھ ہے۔ فرائڈ سے پہلے بھی بعض علماء کا یہی خیال تھا اور ان کا کہنا ہے کہ "ہم اس چیز کا خواب دیکھتے ہیں جس کو ہم نے دن کے وقت دیکھا، چاہا یا کیا۔ اس حقیقت پر فرائڈ نے یہ نظریہ استوار کیا کہ خواب کے خیالات کا سرچشمہ ماضی کے تجربات ہوتے ہیں۔

ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص سو رہا ہے۔ سوتے میں اس کی آنکھوں پر تیز روشنی ڈالی گئی تو اس نے ایک خاص قسم کا خواب دیکھا۔ بد بودار چیز اس کی ناک کے قریب لانے سے اس کا خواب مختلف ہو گیا۔ بجلی کی گرج سے خواب دیکھنے والا گھمسان کی لڑائی میں چلا گیا۔ سوتے میں بدن سے کھیل گر پڑا تو خواب میں وہ شخص اپنے تئیں نکال پانی میں چلا گیا۔ مارتے دیکھے گا۔ سر نیچے کے نیچے آ گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی بوجھ کے تلے دبا جا رہا ہے۔

یہ خارجی محرکات کی مثالیں ہیں۔ اس سلسلے میں ہلڈ برائنٹ کا ایک مشہور خواب^۱ یوں ہے:

۱. "مقتول" اور "تخلیل نفس اور خواب"۔ "مستند سید مہدی جلیل الرحمہ"۔

”میں موسم بہار کی ایک صبح کو سیر کر رہا ہوں۔ کھیتوں سے ہو کر قریب کے ایک گاؤں کی طرف بڑھتا ہوں۔ وہاں کے رہنے والے بہترین کپڑوں میں لباس اور ہاتھ میں کتاب مقدس لئے گرچہ ان کی جانب جارہے ہیں مجھے یاد آ جاتا ہے کہ یہ اقوام کا دن ہے اور صبح کی نماز شروع ہونے والی ہے میں نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ گرے کے باہر قدرے دم لے لوں۔ جب میں وہاں بیٹھ کر قبروں پر لکھے ہوئے کتبے پڑھتا ہوں تو مجھے گھنٹی بجانے والا برج پر چڑھتا ہوا نظر آتا ہے جہاں ایک چھوٹی سے گھنٹی جو نماز کے شروع ہونے سے قبل بجتی ہے لٹک رہی ہے کچھ عرصے تک گھنٹی خاموش رہتی ہے پھر اچانک آہستہ آہستہ نماز شروع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آواز ایسی بلند تھی کہ میری نیند ختم ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔

یہ گھنٹی کی آواز الارم دہائی گھنٹی سے آرہی تھی جو میرے سر ہانے رکھی تھی۔“

خواب کے محرکات اندرونی بھی ہوتے ہیں اور ان سے جو خواب آتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایسے ہی وہ سب خواب ہیں جن کا تجزیہ اور تعبیر تجزیہ نفس کے ذریعے کی جاتی ہے اور ان کا ذکر آنکھ بند صفحات میں آئے گا۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں کہا ہے کہ فرائنڈ کے نزدیک ”خواب ہماری ان نا آسودہ خواہشوں کی تکمیل گاہ ہوتے ہیں جو بیداری کے عالم میں پوری نہیں ہو سکتیں۔“ جب یہ حالت ہو تو ظاہر ہے کہ اپنے خواب کی تعبیر خواب دیکھنے والا ہی کر سکتا ہے۔ وہی ماضی کے واقعات کو یاد کر سکتا ہے اور بتا سکتا ہے کہ اسے خواب دیکھنے سے ایک دن قبل کیا واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے اسے خواب آیا۔ ہی وجہ ہے کہ تجزیہ نفس کے دور ان میں خوابوں کی تعبیر کرنے کے لئے خواب دیکھنے والے ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اگر دیکھنے والا ہمیں خواب کے متعلق کما حقہ آگاہ نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب کے متعلق پوری واقفیت تو رکھتا ہے۔ لیکن وہ اپنے اس علم سے بے علم ہے۔ اس لئے اس کا یہ یقین ہے کہ وہ خواب کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں فرائنڈ نے لکھا ہے۔¹

”1889ء میں میں نے نینسی میں لی ایپال اور برنیم کا ایک سوئی (Hypnotic) تجربہ

1. تھیری جیگر دس 85 مقالہ ”تحلیل نفسی اور تعبیر خواب“

ملاحظہ کیا۔ اس شخص پر تنویری کیفیت طاری ہو گئی۔ اس شخص پر اس کیفیت کے دوران میں اشتکال (Somnambulim) اور اقتباس حواس (Hyllucnation) کے تجربات کئے گئے۔ ہوش میں آنے پر پہلے پہل تو وہ اپنے مشاہدے سے بالکل مطلع نہ کر سکا۔ برشم نے اُسے یقین دلایا اور مجبور کیا کہ وہ اس کیفیت کے دوران کے تمام واقعات جانتا ہے اور وہ ہر اسکا ہے۔ اس پر اس شخص نے غور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ تمام واقعات بلا کم و کاست دہرانے میں کامیاب ہو گیا۔ خواب سے اس علمی ظاہر کرنے والے کا بھی یہی حال ہے۔“

نورانی امراض میں بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی اہمیت کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ نا آسودہ خواہشات کی تکمیل گاہ ہوتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ کوئی صبح نیند میں غفلت انداز ہوتا چاہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ سونے والے کو بیدار کرے۔ لیکن اس کے خلاف اور نیند کی حمایت میں جو طاقت بروئے کار ہوتی ہے وہ صبح کا اثر زائل کرنے کے لئے اس کو تکمیل خواہش کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے اور سونے والا نہایت گہری نیند سو یا رہتا ہے۔ فرانڈ اپنا ایک خواب یوں بیان کرتا ہے کہ اُسے ایک دلہہ کسی تکلیف کے باعث اپنے فوطوں پر پٹنس باندھ کر سوتا ہوا۔ اس سے درد میں تخفیف ہو گئی اور سو گیا لیکن کچھ دیر بعد درد پھر شروع ہو گیا اور پٹنس کا وہاں رہنا درد پھر ہو گیا۔ پٹنس اور درد یہ صبح تھے جو سونے کے خلاف عمل پیر اور بیدار کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن نیند نے اس صبح کو ایک اور صورت میں تبدیل کر دیا اور فرانڈ نے خواب دیکھا وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہے۔ اگر وہ خواب نہ دیکھتا تو شدت درد سے بیدار ہو جانا لازمی تھا۔

چھوٹے بچوں کے خواب تمام ہی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کو صاف طور پر واضح کرتے ہیں۔ دن میں تجربات پوری نہیں ہو پاتی وہ خواب میں پوری ہو جاتی ہے۔ فرانڈ نے اس کی مثالیں لکھی دی ہیں:

- 1- ایک سال اور دس ماہ کے بچے کو جنم دن کی تقریب پر پہلوں کی ایک فیکری کسی کو پیش کرنا تھی۔ اگرچہ اُسے بھی اس میں حصہ لینے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے بے دلی سے تھوڑا پیش کیا۔ اگلی صبح اس نے اپنا خواب بیان کیا۔ ”میں تمام پہلوں کا گیا۔“

2- ایک سو اسی سال کی بچی پہلی مرتبہ کسی مہمیل پر سیر کی فرض سے مکنی۔ جب وہ اپنے والدین کے ساتھ کشتی سے اترنے لگی تو اس نے کہا کہ وقت کتنی جلدی گزر گیا ہے اور اس نے کشتی سے نہ اترنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ صبح اس نے بیان کیا کہ ”رات میں وہی مہمیل میں سیر کر رہی تھی۔“

بچوں کے خواب کی تعبیر بہت آسان ہوتی ہے۔ اس کے بچنے کے لئے صرف اُن کے دن کی حرکات و سکنات کا جائزہ کافی ہے۔ ان کے خواب ہمیشہ دن کے واقعات کا رد عمل اور تا آسودہ خواہشات کی تکمیل ہوتے ہیں۔

بالوں کے خواب بچنے میں وقت ہوتی ہے ان میں اگرچہ تکمیل خواہش ہی ہوتی ہے مگر وہ اتنی غلط ملط ہو جاتی ہے کہ بظاہر خواب اور اس کے اصل مطلب کا کوئی تعلق ہی نظر نہیں آتا۔ خواہش مزاحمت (Resistance) کے ذریعے کوئی ایسی صورت اختیار کر لیتی ہے جو آسانی سے پہچانی نہیں جاسکتی۔ ان کی تعبیر صرف ملازم اختیار کی (Free Association) کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے۔ خواب جب پیچیدہ ہوں اُن کے بچنے میں کافی دن ہوتی ہے۔ تا آسودہ خواہشات جب لاشعور سے نکل کر شعور میں آنا چاہتی ہیں تو دباؤ (Repression) پروری قوت سے کوشش کرتا ہے کہ وہ باہر نہ نکلنے پائیں۔ اس لئے مجبوراً یہ خواہشات ایسا روپ بھرتی ہیں جن سے شعور کو دھوکا دیا جاسکے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ خواب بظاہر خواہش کی ضد ہوتا ہے۔

فرائڈ کے ایک دوست نے اُسے بتایا کہ ”اس کی بیوی نے کل رات خواب میں جنس آتے دیکھا ہے۔“ اور اس کا مطلب دریافت کیا۔ فرائڈ نے کہا کہ ”آپ کی بیوی حاملہ ہے اور اس کو جنس آنا پسند ہو گیا ہے اس کی یہ خواہش ہے کہ چند دن اور آزادی کے طرے لوٹے۔ خواب کی مدد سے اس نے اپنے تئیں حاملہ ثابت کیا ہے۔“

اسی سلسلے میں ایک اور خواب دیکھئے۔ اس خواب کی خصوصیت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والی ایک نوجوان عورت نے یہ خواب فرائڈ کے نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لئے بیان کیا۔

”آپ کو معلوم ہوگا کہ اب میری بیوی بہن کا صرف ایک ہی لڑکا چارلس رہ گیا ہے میں اس کے پاس ہی رہا کرتی تھی کہ اس کا بڑا لڑکا آٹو مر گیا۔ آٹو کو میں بے اعتنا چاہتی تھی۔ حقیقت میں

اس کی پردوش میں نے ہی کی تھی۔ میں چاہتی تو چارلس کو بھی ہوں۔ لیکن اتنا نہیں اب میں نے کل رات خواب میں اپنے سامنے چارلس کو مراد رکھا ہے۔ اس کی نقش چھوٹے سے صندوق میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور چاروں طرف موم بتیاں روشن تھیں۔ القصد یہ منظر بالکل آٹو کی موت کی مانند تھا۔ اس خواب سے میرا دل سخت ڈھکی ہو گیا ہے۔ فرمائیے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا میں اتنی بری ہوں کہ بہن کے انکھوتے بیٹے کی موت کی خواہشمند ہوں؟ کیا اس خواب کا یہ مطلب ہے کہ آٹو کی بجائے چارلس مر جاتا؟

فرانڈ نے اُسے یقین دلایا کہ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں۔ چنانچہ تجزیہ کے بعد ذیل کے حالات معلوم ہوئے۔ یہ نوجوان عورت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کی پردوش اس کی بڑی بہن نے کی۔ مگر آنے جانے والوں میں سے ایک شخص سے اُسے محبت ہو گئی۔ دونوں کو یقین تھا کہ ان کی شادی ہو جائے گی۔ لیکن اُس کی بہن نے چند وجوہ کی بنا پر اس دشمنے کو قلعہ کر دیا۔ اس نوجوان کا آٹا پانا بند ہو گیا۔ آٹو کی موت کے بعد اس نوجوان لڑکی نے خود اس سے ملنے کا راستہ نکال لیا۔ اس کا محبوب پروفیسر تھا جہاں کہیں اُسے تقریر کرنا ہوتی تو یہ لڑکی حاضرین میں موجود ہوتی۔ لیکن کوشش کرتی کہ پروفیسر اُسے دیکھنے نہ پائے۔ اس خواب سے ایک دن پہلے اس لڑکی نے فرانڈ کو بتایا تھا وہ اس دن ایک ایسے جلسے میں چارلی تھی جہاں پروفیسر تقریر کرنے والا تھا اور اگلے کانگرس اس کے پاس موجود تھا۔ فرانڈ نے اس لڑکی کو ایسا کوئی واقعہ ہر اتے کو کہا جو آٹو کی موت کے بعد پیش آیا تھا۔ لڑکی نے بتایا کہ آٹو کی موت پر وہ پروفیسر ایک مدت کے بعد اُن کے ہاں آیا اور اُس نے اُسے فحش کے پاس ایک نکل دیکھا۔ بہن کو فرانڈ نے خواب کی تعبیر یوں کی۔

”خواب میں تمہاری یہ خواہش پوری ہوئی ہے کہ اگر دوسرا بچہ بھی مر جائے تو یہ واقعہ تمہارے آئے گا۔ پروفیسر ماتم پری کے لئے آئے گا اور تم اُسے پھر ایک بار دیکھ سکو گی گویا یہ خواب پروفیسر کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش ہے جس کو وہانے کی تم کوشش کرتی ہو لیکن تمہاری بے مبری خواب سے عیاں ہو گئی۔“

تعبیر خواب کا کام زیادہ آسان نہیں بلکہ اس کے لئے کافی ذکاوت و ہمت اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے تجزیہ کار ملامت امتیاری کے ذریعے ماضی کے حالات کریدتا ہے اگر مزاحمت معمول ہو تو تعبیر آسانی سے کی جاسکتی ہے لیکن مزاحمت کی شدت کی صورت میں کافی جدوجہد کی

ضرورت ہوتی ہے۔

خواب کی تعبیر کرتے وقت صرف ایک عنصر کو لے کر اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ پھر ان ملازم اختیاری کو جو ان عناصر سے پیدا ہوتے ہیں ان میں وہ تعلق تلاش کیا جاتا ہے جو مختلف عناصر کو ملاتا ہے۔ یہ کیسے کیا جاتا ہے اس کی مثال خود فریڈ نے دی ہے۔^۱

”ایک نو جوان عورت کی شادی کو کافی عرصہ ہو گیا تھا خواب دیکھتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ تھیز میں ہے۔ بچوں کی ایک دو بالکل خالی ہے۔ اس کے خاوند نے اس کو بتایا کہ ایلیز اور اس کے محبوب نے اندر آنا چاہا لیکن وہ صرف تاسوڑوں جگہ حاصل کر سکے۔ تین سٹیں ڈیڑھ فلاں کے عوض اور وہ یقیناً یہ جگہ نہیں لے سکتے۔ عورت نے جواب دیا کہ اس کے خیال میں اس طریقے سے انہوں نے کوئی خسارہ نہیں اٹھایا۔“

تجزیہ نفس کے دوران میں مریض نے بتایا کہ اس خواب کی وجہ ایلیز کے متعلق ایک خبر ہے جس سے اس کے خاوند نے ایک دن قبل مطلع کیا کہ ایلیز کی مکھی ہو گئی ہے ایلیز مریض کی ہم عمر تھی۔ یہ خواب اس خبر کا رد عمل تھا۔

”خالی رو۔“ ملازم اختیاری کی مدد سے مضمون ہوا کہ یہ گذشتہ بیٹے کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ ہوا میں کہ اس نے ایک خاص کھیل دیکھنے کے ارادے سے قبل از وقت تھیز کے ٹکٹ زیادہ قیمت دے کر خرید لئے تھے۔ وہاں جا کر مضمون ہوا کہ بچوں کی ایک دو بالکل خالی تھی۔ اس نے خواہ مخواہ ٹکٹ کی۔ ورنہ اس دن ٹکٹ خریدنے پر جگہ بھی مل جاتی اور نقصان بھی نہ ہوتا۔

”ڈیڑھ فلاں۔“ یہ بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ خواب سے ایک دن قبل اس نے سنا کہ اس کی شہر کو اس کے خاوند نے 150 فلاں بطور تحفہ دیے۔ وہ خوراکی جو ہری کی دکان پر گئی اور ساری رقم کے زچہ رات خرید لائی۔

”تین سٹیں۔“ اس کے متعلق ملازم خیالات کے ذریعے کسی بات کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف اتنا یاد آیا کہ اس کی سہیلی ایلیز اس سے تین ماہ پہلے تھی۔ مگر اس کی شادی دس سال سے ہو چکی تھی۔

”دوآرمیوں کے لئے تین ٹکٹ۔“ اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

اب ان عناصر اور ان کے متعلق جو خیالات ملازمہ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں ان کی روشنی میں خواب پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں خواب کا معنی معلوم ہونے لگتا ہے۔ ”وقت“ کے متعلق اشارت کاٹل فور ہیں۔ اس نے تین نکت ”بہت جلدی“ خریدے اور اسے مقررہ قیمت سے کچھ زیادہ ادا کرنا پڑا۔ عینہ اس کی نند تھوڑے لینے ہی فی الفور جو ہری کی دکان پر گئی اور وہاں سے ”فورا“ زنجیر خرید لائی۔ ”جلدی“ کا تعلق ہر عنصر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جس کی روشنی میں فرائڈ نے تعبیروں کی ہے کہ:

”حقیقتاً یہ میری حفاظت تھی کہ میں نے شادی کرنے میں اتنی جلدی کی ایلیز کی طرح آخر کار مجھے بھی کوئی سوزوں خاوند مل جائے (جلدی میں نکٹ خریدے اور نند کے زنجیر خریدنے کے اشارے اس کی وضاحت کرتے ہیں) تھیز جانا شادی کے مترادف ہے ممکن تھا کہ میں رقم سے سوگنا زیادہ بہتر پالیتی (150 ملارن اور 1450 ملارن کی نسبت 100۴1 کی ہے) ملارن چیز کا تناسب عام ہے۔ زنجیر اور ناموزوں جگہ دونوں خاوند کو ظاہر کرتے ہیں۔ ”تین“ ”مرد کے عضو مخصوص کی علامت ہے۔ یعنی خود خاوند میں متاسف ہوں کہ کیوں اتنی جلدی شادی کر لی۔“

اس تعبیر سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1- اس خواب میں زیادہ زور ”جلدی“ پر ہے۔ حالانکہ اصل خواب میں ایسا کہیں نظر نہیں آتا۔ لاشعور نے ایسا جامہ پہن رکھا ہے کہ اس کے اندر سے اصل چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اسے صرف ملازم اختیار کے ذریعے نکالا گیا ہے۔

2- خواب کے مختلف ٹکڑے مہمل معلوم ہوتے ہیں ان میں رہا بھی نہیں ہے لیکن جب تعبیر کی گئی ہے تو ان میں ایک رہا پیدا ہو گیا ہے اور ہر ٹکڑا ایک حقیقت کا حامل نظر آتا ہے۔

3- اصل خواب اور اس کے مطلب میں جو رشتہ ہے وہ بہت عجیبہ ہے جو مطلب نکلا ہے اس میں خواب کے عناصر موجود نہیں ہیں۔

خواب میں عجیبہ گی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے جس پر کافی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ عالم بیداری کی طرح خواب میں بھی انسان مختلف کیفیات کی منازل سے گزرتا ہے۔ کبھی

ہنتا ہے، کبھی روتا ہے، کبھی خوف کھاتا ہے۔ کبھی غصہ میں آتا ہے۔ بعض اوقات بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور کبھی جواں مردی کا۔ اس کا باعث اخلاقی تربیت، فانی رجحان، عضوی خصائص ہوتے ہیں۔ اکثر انسان سماجی ماحول مذہبی قیود اور قانون سے خوف کھا کر اعمال کرتا ہے۔ اصل خواہشات کو دبا تا ہے۔ حالانکہ جبلی تقاضے بالکل اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس رویے کی وجہ سے وہ ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار ہوتا ہے۔ ایک طرف جبلی تقاضے ہوتے ہیں۔ بنیادی جذبات آسودگی چاہتے ہیں اور دوسری طرف ماحول کا خوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اس خوف اور آرزو کے تصادم سے خواب کے اندر دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

”خواب سے نا آسودہ آرزو تسکین پاتی ہے۔“ لیکن بعض خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس نظریہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ فرائڈ نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ وہ بتاتا کہ خواب کا مواد دو قسم کا ہوتا ہے ایک مواد بینہ (Manifest Content) اور دوسرا مواد مخفیہ (Latent Content) مواد بینہ وہ خواب ہوتا ہے جو دیکھنے والا سمجھ کر دیتا ہے اور مواد مخفیہ خواب کا پوشیدہ مفہوم جو تجزیے کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک خواب جو بظاہر افسانہ یا معلوم ہو مخرج و تجزیہ کرنے پر آرزو کی تحلیل ثابت ہو جائے۔ خواب میں یہ تسکین (Distortion) کس طرح ہوتی ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرائڈ اپنا ایک خواب لکھتا ہے۔

”1897ء کے موسم بہار میں مجھے خبر ملی کہ دارالمعلوم کے دو خطیبوں نے مجھے اسٹنٹ پروفیسر کے منصب کے لئے منتخب کیا ہے مجھے بالکل اچانک طور پر یہ خبر ملی اور اس کے باعث مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ چونکہ ارباب احتساب کی ہمدردی میں کسی مصیبت کا شائبہ نہ تھا۔ لیکن فوراً ہی میں نے خیال کیا کہ مجھے اس واقعہ سے کسی قسم کی امید وابستہ نہیں رکھنی چاہئے۔

چونکہ گزشتہ چند سال کے اندر دارالمعلوم کے ارباب عل و عقد نے اسی قسم کی تجویز پر کوئی غور و خوض نہیں کیا اور میرے متعدد شرکائے کار جو مجھ سے زیادہ معمر اور استعداد علیہ کے اقبہار سے مساوی درجہ رکھتے تھے اپنے تقرر کے لئے عہد انتظام کر رہے تھے اس لئے کوئی وجہ تھی کہ اپنے متعلق کسی کامرانی کا خیال کروں اس کے بعد میں نے خود کو تسکین دہنی شروع کی کہ جہاں تک میں مطالعہ ہائیں کرتا ہوں مجھے زیادہ خواہش بھی نہیں۔ چونکہ میں اپنے مطلب کے مشاغل میں کسی مزید

لقب کے بغیر زیادہ کامیاب ہوں اس کے علاوہ یہاں یہ سوال ہی نہیں تھا کہ ”انگور شیریں ہیں یا ترش؟“ کیونکہ یقیناً یہ میری دوسترس سے زیادہ بلند پر ہے۔ ایک دن شام کے وقت میرے ایک شریک کارجن کی قسمت کے مطالعہ سے میں نے اپنی ناکامی کا نتیجہ نکالا تھا مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ وہ مدت سے پرو فیسر کے عہدہ کے لئے امیدوار تھے اور اپنے حصول مقصد کے لئے میری بہ نسبت زیادہ تلے ہوئے تھے۔ چونکہ ایک طبیب کو پرو فیسری کا عہدہ ”نائب خدا“ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے وہ دو ٹوٹا دارا علوم کے دفاتر میں اپنی درخواستیں بھیجنے کے عادی تھے اس قسم کی ایک سنی لا حاصل کر کے وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے اس مرتبہ ایک گوشہ میں دفتر کے ایک معزز رکن سے دریافت کیا کہ میری ناکامی میں عقائد تو خل نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یقیناً موجودہ کے ہوتے ہوئے ہزار سلسلی کو اس کا موقع نہیں۔ اس کے بعد میرے دوست نے اور ہاتھ کھیں جن سے میری ناامیدی کے خیال میں مزید توثیق ہوئی کیونکہ وہی عقیدہ کا سوال میرے متعلق بھی پیدا ہو سکتا تھا۔

اس ملاقات کے بعد دوسرے دن میں نے مندرجہ ذیل خواب دیکھا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل غور ہے۔ میرا دوست ”ز“ میرا بچا ہے میں اس کے لئے قلب میں بڑی محبت پاتا ہوں۔ اس کی صورت کسی قدر خفیر ہے۔ چہرہ کتابی ہے اس کے ارد گرد در رنگ کی داڑھی ہے جو صاف اور نمایاں ہے پہلے میں نے اس خواب کی تعبیر نہ سمجھی اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ بالکل اغوار ”انفقاٹ اعلام“ ہے لیکن تمام دن باوجود کوشش بھی میں دماغ سے اس کا خیال دور نہ کر سکا۔ آخر کار شام کے وقت میں ان الفاظ میں خود کو ملامت کرنے لگا اگر کوئی دوسرا شخص تعبیر کے وقت اسے لغو یا مہمل کہتا تو تم اسے بہت ڈانٹتے اور شہ کرتے کہ خواب کے پس پر وہ بعض ایسے ناخوشگوار معاملات ہیں جنہیں خواب کا دیکھنے والا ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے آخر کار اس کی تعبیر سمجھنے کی کوشش کی اور میں اس طور سے غور کرنے لگا ”ز“ میرا بچا ہے اس کے کیا معنی؟ میرے تو ایک ہی بچا ”یوسف“ ہیں۔ یقیناً ان کا قصہ پر افسوس ہے۔ وہ بعض ایسے اشغال کے دلدادہ تھے جنہیں قانون حکومت قابل مواخذہ نہیں مانتا ہے اور جس پر میرے بچا کو سزا بھی ملی میرے والد جو چند ہی دنوں میں غم کے مارے ضعیف ہو گئے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ تمہارے بچا ”یوسف“ کوئی بد معاش آدمی نہ تھے لیکن یہ تھا کہ وہ سادہ لوح نہ تھے۔

اب اگر میرا دوست "ز" میرا چچا ہے تو یہ بھول اس خیال کے ہے کہ "ز" سادہ لوح (Simpleton) ہے لیکن خواب میں جو میں نے صورت دیکھی وہ لمبی تھی اور اس پر زرد داڑھی تھی۔ میرے دوست کی داڑھی بالکل سیاہ تھی۔ لیکن جب سیاہ بال والے لوگ بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو ان کی سیاہ داڑھی کے ہر بال میں جدا گانا ایک ناخوشگوار رنگ کا تغیر ہوتا ہے۔ پہلے پھل یہ سرخی آمیز بادامی رنگ ہو جاتا ہے پھر زردی مائل بادامی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس کے بعد بالکل سفید ہو جاتا ہے۔ میرے دوست "ز" کی داڑھی اسی رنگ منزل سے گزر رہی ہے اور اس طرح میری بھی جس کے مشاہدہ سے مجھے افسوس ہوتا ہے۔ خواب کے اندر میں جو صورت دیکھ رہا ہوں وہ بیک وقت میرے چچا کی بھی صورت ہے اور میرے دوست "ز" کی بھی۔ یہ گیٹشن کے مجموعی تصاویر (تکسی) کے مثل ہے جنہیں اُس نے خاندانی مشابہت پر زور دینے کے لئے چند تصاویر کا مجموعہ کی حیثیت سے ایک پلیٹ میں چار کیا تھا اس صورت سے یہ ممکن ہے کہ میں نے حقیقتاً یہ خیال کیا ہو کہ میرا دوست "ز" میرے چچا یوسف کے مثل سادہ لوح ہے۔ ابھی تک میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ میں نے مشابہت کیوں قائم کی؟ میرے چچا ایک مجرم تھے۔ میرا دوست "ز" ایک بے گناہ آدمی تھا۔ شاید انہوں نے صرف ایک مرتبہ ایک امیدوار عمر کو ہاشکل سے ضرب لگا دی تھی۔ اس لئے انہیں سزا ہو گئی تھی۔ کیا میں اسے ایک جرم خیال کر سکتا تھا۔ اگرچہ مشابہت یہ تھی کہ ایک نہایت احمقانہ اور مضحکہ خیز موازنہ تھا۔ یہاں مجھے ایک مکالمہ یاد آتا ہے جو مجھ میں اور میرے ایک شریک کار "ن" کے درمیان واقع ہوا تھا اور غالباً اسی موضوع پر تھا۔ ان سے مجھے سڑک پر ملاقات ہوئی وہ بھی پروفیسر کے عہدہ کے لئے منتخب ہوئے ہیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے بھی یہ اعزاز ملنے والا ہے تو انہوں نے مجھے مبارکباد دی۔ میں نے پر زور لہجہ میں اس کا رد کیا۔ تم آخری آدمی جو اس قسم کی عزافت کر رہے؟ کیا تمہیں اس کا علم نہیں کہ خود تمہارے معاملہ میں انتخاب کو کون سا درجہ حاصل ہے؟ اس پر اس نے کہا (اس میں وہ جوش نہ تھا) تم کو اس کے متعلق یقین نہ رکھنا چاہئے۔ میرے خلاف ایک خاص ہند ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک عورت نے میرے خلاف قانونی استغاثہ کیا تھا میں تمہیں ان فضول باتوں کا یقین دلا تا نہیں چاہتا کہ کس طرح میری تذلیل کی کوشش کی گئی تھی اور کس طرح میں نے مستحق کو سزا پائی سے بچا لیا۔ لیکن معاملہ دفتر میں پر زور طریقہ سے پیش ہو گا۔ تاکہ میرا فقر نہ ہو۔ لیکن تم اس قسم کی بدنامی سے

مبرا ہو۔ فرمائے کہتا ہے کہ یہاں پر مجھے مجرم کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی خواب کی تعبیر بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ میرے بچاؤ نصف میرے دونوں شرکائے کار کی نیابت کر رہے ہیں۔ ایک تو سادہ لوح تھا دوسرا مجرم، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی مقصد سے مجھے اس نیابت کی ضرورت ہے۔ اگر عقیدہ کے خیال سے میرے دونوں کا مقررہ معرضہ تعویق میں رہا تو میرے متعلق بھی یہی سوال پیدا ہوگا لیکن اگر میں دونوں احباب کی ناکامی کو دوسرے اسباب کی طرف منسوب کر دوں جو مجھ میں نہیں پائے جاتے تو میری امید کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔ میرے خواب کا ابتدائی ذہن یہی ہے کہ ”ز“ کو وہ سادہ لوح اور ”ن“ کو مجرم قرار دے رہا ہے۔ چونکہ میں سادہ لوح ہوں نہ مجرم جو حضرات اس منصب کے امیدوار ہیں اس طرح سے ہر طرف ہو گئے۔ اس طور سے مجھے پروفیسری کا عہدہ ملنے کی امید ہوگی اور میرے نفس نے خبری یہ کبیدگی محسوس کرنے سے جو افسراٹھی نے میرے دوست ”ز“ کو دی تھی نہایت پائی۔ فرمائے کہتا ہے کہ اب بھی میرا نفس مطمئن نہیں ہے۔ اور مجھے خواب کے اس پہلو پر بحث کرنا ہے جس میں میں نے اپنے حصول مقصد کی فرض سے اپنے دو معزز دوستوں کی تذلیل کی ہے میں اس شخص سے مباحثہ کے لئے تیار ہوں جو یہ خیال کرے کہ میں حقیقتاً اپنے دوست ”ز“ کو سادہ لوح اور ”ن“ کو مجرم خیال کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خواب کے اندر صرف آرزو کا اظہار کیا گیا ہے کہ واقعہ ایسا حادث ہو یعنی دارالمعلوم کے درباب مل و عقد ”ز“ کو اس کی سادہ لوحی (حالانکہ حقیقتاً میں اسے سادہ لوح نہیں سمجھتا) اور ”ن“ کو اس کے اصرام جرم حالانکہ میں اس کے محاسن اخلاق کا مقرر ہوں کے باعث منصب کے لئے ناخرد نہ کریں اور میرا مقرر ہو جائے۔“ فرمائے کہتا ہے کہ جب کبھی عالم خواب کی کسی آرزو کا پتہ نہ چلے یا یہ تحلیل آرزو پر پردہ خفا میں رہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس آرزو کے خلاف کوئی متصادم احساس کارفرما ہے اور اس تصادم اور رد عمل کے باعث جب کبھی آرزو کو اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے تو صرف اس بدلی ہوئی صورت میں معاشرانہ زندگی میں کہاں اس قسم کے نقش عمل کی بدلی ہوئی صورت پائی جاتی ہے؟ صرف وہاں جہاں ایک شخص کچھ طاقت رکھتا ہے اور دوسرا اس طاقت سے اثر پذیر ہے تو یہ دوسرا آدمی اپنے اعمال نفسیہ کو یہ ظاہر بدلی ہوئی صورت میں پیش کرے گا اور ظاہر واری جو ہم روزانہ زندگی میں برتتے ہیں بڑی حد تک نفس کے حقیقی حیجرات کے اشتقاق یا ملن کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

یہ اور ایسے خوابوں کی تحلیل سے فرمائے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ”جب کبھی عالم خواب کی کسی

آرزو کا پتہ نہ چلے یا آرزو غلطی رہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس آرزو کے خلاف کوئی متضاد احساس کار فرما ہے اور اس تضاد اور رد عمل کے باعث جب کبھی نا آسودہ آرزو کو اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے تو صرف اس بدلتی ہوئی صورت میں ہی وہ ظاہر ہو سکتی ہے۔ ظاہر داری جو ہم اپنی روزمرہ زندگی میں برتتے ہیں وہ بھی نفس کے حقیقی رجحان کے انھما یا باطن کی خلاف روزی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ "مقتضب کی گرفت کی شدت کے باعث خواب کی یہ اور بہت سی حالتیں رونما ہوتی ہیں۔"

تعبیر خواب کے متعلق کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے اور جس طرح اس کے ذریعے مواد بظہی کا سراغ ملتا ہے اسی طرح اصل خواب بھی ایک قانون کے تحت ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو فعل خواب (Dream-Work) کہتے ہیں۔ اس کی چند ایک صورتیں ہیں۔

وہ طریق یا قانون جس کے تحت اصل خواب اپنی موجودہ صورت میں ظاہر ہوتا ہے فعل خواب کہلاتا ہے اور جس طریق سے اُسے سمجھا اور اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تعبیر خواب ہے فعل خواب کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان سے سی و چھپدی کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

1۔ اختصار (Condensation) 1۔

فعل خواب کی اس صورت میں خواب کا ایک عنصر بہت سے لاشعور خیالات پر مبنی ہوتا ہے۔ کئی بار خواب کے ضروری عناصر بالکل مفقود ہوتے ہیں اور اکثر تمام لاشعور خیالات یکجا ہوتے ہیں۔ اس حالت میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جینے خواب کا دائرہ وسیع ہو یا اس کا مافیہ (Content) مواد عقیدے سے زیادہ بھر پور ہو۔ خواب میں اس کا عمل یوں ہوتا ہے کہ:

الف۔ بعض عقیدے عناصر بالکل مفقود ہوتے ہیں۔

ب۔ عقیدے خواب کی بہت سی الجھنوں میں سے صرف چند کا تمام جزو مواد جینے میں نظر آتے ہیں۔

ج۔ بہت سے اشخاص کی صفات ایک ہی شخص میں پائی جاتی ہیں۔
یعنی ایک شخص کا نام (ا) لیکن اس کی شکل (ب) سے ملتی ہے اور اس کے کپڑے (ج) کی طرح کے ہیں اور وہ شخص (د) کا پیشہ اختیار کئے ہوئے

ہے۔ گویا چار اشخاص کی صفات ایک شخص میں موجود ہیں۔
اختصار میں خواب بہت مختصر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تعبیر بہت طویل ہوتی ہے۔

2- تبدل (Displacement)

خیالات جو خواب میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں بعض اوقات تعبیر میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ برعکس اس کے ایسے خیالات جو خواب میں بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے کہ وہ تعبیر میں نہایت ہی ضروری حصہ لیں۔ فرائڈ کی اس مریضہ کا خواب جس میں "جلبت" کے خیالات اصل خواب میں بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواب کی تعبیر ہی انہیں کے متعلق ہے۔ اسی طرح اس عورت کے خواب میں جو اکلوتے بچے کو صندوق میں مرا ہو دیکھتی ہے "صندوق" کا خیال پکارا جاتا اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن تعبیر سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لفظ نہایت ہی ضروری حصہ ہوتا ہے۔

3- مناظریت (Dramatization)

"اصل خواب کے خیالات اس طرح آپ میں مربوط ہوتے ہیں گویا وہ کسی دلچسپ کہانی کو بیان کر رہے ہیں یا وہ کسی ڈرامے کے کسی ایک منظر کو دکھا رہے ہیں۔ خیالات اکثر مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس دلچسپ منظر کو تحریر میں صحیح صحیح کسی طرح نہیں لایا جاسکتا۔"

4- اشاریت (Symbolism)

فرائڈ اور اس کے پیروؤں نے تعبیر خواب میں اشاریت کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ فرائڈ کے نزدیک جنس کی جبلت کے علاوہ کوئی اور جبلت اتنی اہم نہیں ہے۔ بالغ آدمیوں کے خوابوں میں جنسی اشارے بہت زیادہ ملتے ہیں اور یہ اشارے مخصوص رموز ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق لاشعور سے ہوتا ہے۔ ان کا مطالعہ تعبیر خواب میں بہت مدد دیتا ہے۔

خواب میں مکان کی دیوار کی تعبیر مرد ہے اور چمچے اور کھڑکی کی عورت..... والدین خواب میں باویش اور ملکہ یا کوئی اور معجزہ ہستی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پانی پیدا کنش ہے۔ مرنے کی علامت

سفر ہے۔ تین کا ہندسہ مرد کے عضو مخصوص کا اشارہ ہوتا ہے۔ طویل اور سیدھی اشیاء مثلاً چھتری، چھاتہ، درخت، پال، لٹوکدار آلات، چاقو، پنجر، نیزہ، بندوق، پستول ریلوورنگی مردوں کے اعضاء مخصوص کو ظاہر کرتے ہیں۔ قل، پانی کا حوض یا چشمہ، لیپ، چھوٹی بڑی ہونے والی چسل، قلم، قلعہ، ان، ناخن تراش، ہتھوڑے عورتوں کے خواہوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان سے بھی وہی مراد ہوتی ہے۔ اگر عورت خواب میں اڑے تو اس کا مطلب وہ مرد بننے کی خواہش مند ہے۔

گڑھے، غار، سواری، بونٹیں، جار، مختلف اقسام کے صندوق، جیب اور جہاز عورت کے عضو مخصوص کا اشارہ ہوتے ہیں۔ ۱۔

”بعض علامات صرف رحم کے لئے مخصوص ہیں جیسے کمرے، مشور، علاوہ ازیں مختلف اقسام کی خوس اشیاء جیسے گھڑی، کاغذ اور ان سے بنی ہوئی اشیاء جیسے میز اور کتاب دہوازہ اور کھڑکی مہدہ، سہل کے سواری کی علامات ہیں۔ منہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ گرجے، مندر، سنگار بکس، جواہرات، خزانے، مٹھائیاں بھی عورت کو ظاہر کرتے ہیں۔ پستان بھی صنفی عضو کے تحت آتے ہیں۔ ان کے لئے مختلف اقسام کے پھل جیسے سیب، ناشپاتی وغیرہ مقرر ہیں۔ دونوں صنفوں میں موئے زہار، جنگلات، جھاڑیاں اور گھاس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پہاڑی مظر بھی اس علامت میں شامل ہے۔ مختلف قسموں کی حرکات صنفی فعل کے لئے مقرر ہیں۔ لہو و لب اور پٹانوں پر کھیلنا اپنے عضو مخصوص سے کھیلنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کی علامت ہیں۔ جلق کی عادت کسی درخت کی شاخ کھینچنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ دانت نکالنا، یادانت کا نکلنا جلق کی سزا ہے۔ مباشرت کے لئے گھوڑے کی سواری، ناچ، ورقوں پر چڑھنا اور کسی چیز کے نیچے دب جانے کی علامت ہیں۔ ان میں چندوشکاری کے پٹے یا کسی ہتھیار سے دھمکائے جانا بھی داخل ہے۔ چند ایک علامات ایسی جو دونوں جنسوں کے لئے مقرر ہیں مثلاً چھوٹے بچے (بچی)“

اب چند خواب سنئے تھو اور ان کی تعبیر دیکھئے جو فراموش کی ہے۔

ایک نوجوان عورت نے ایک ہی رات میں تین مختلف خواب دیکھے تھے۔

الف۔ وہ اپنے گھر کے بڑے کمرے میں سے گزر رہی تھی کہ اس کا سر فانوس سے جو بہت

۱۔ تحلیل نفسی اور خواب صفحہ 162-163

۲۔ تمہیدی جہجہ۔ فراموش صفحہ 161-162

نچے لٹک رہا تھا اس شدت سے کھرایا کہ خون بہنے لگا۔۔۔ اس سلسلہ میں جب اس سے دریافت کیا گیا تو اسے کوئی بات یاد نہ آئی۔ بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہی جو دوسری طرف لے جانے والی تھی۔ ”میرے بال بے تحاشا اُگ رہے ہیں۔ اس پر کل میری ماں نے مجھے کہا تھا کہ اگر یہی حال رہا تو تمہارے چوتھوں کی طرح ہو جائیں گے۔“ یہاں سرجنم کے نچلے حصے کا اشارہ یہ نظر آتا ہے۔ فافوس لٹک رہا ہے۔ یہ مرد کا عضو مخصوص ہے۔ خراب میں سب اشارے صاف ہیں۔ یعنی لڑکی اپنا ٹھیکڑا حصہ دیکھتی ہے۔ جہاں سے خون بہہ رہا ہے اور اس کا باعث عضو مخصوص ہے۔ اسکی ایک اور تعبیر بھی کی جاسکتی ہے اور وہ حیض کا بہنا ہے۔ بعض لڑکیاں خیال کرتی ہیں کہ حیض مرد سے مباشرت کرنے کے بعد جاری ہوتا ہے۔

ب۔ اس لڑکی نے دیکھا کہ تاکستان (Vineyard) میں ایک گہرا گڑھا ہے۔ جو وہ جانتی تھی کہ کسی درخت کو جڑ سے اکھڑے جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ جب اُسے کہا گیا کہ اس کے متعلق کوئی اور بات یاد کرے تو حلازم اختیاری کے ماتحت فوراً بولی ”درخت غائب تھا“ جس سے اس کا مطلب تھا کہ خراب میں اس نے درخت نہیں دیکھا۔ ان الفاظ سے لاشعور کا ایک اور خیال مریاں ہو گیا اور وہ اشارہ ہے اس لڑکی کو سمجھنے سے یہ خیال تھا کہ لڑکیوں کے بھی اعضا لڑکوں ایسے ہوتے ہیں لیکن بعد میں آنکلی (Costration) کے ذریعے انہیں کاٹ دیا جاتا ہے۔ (درخت کا اکھاڑا)

ج۔ لڑکی اپنی لکینے والی میز کے دروازے کے پاس کھڑی ہے اور جانتی ہے کہ جو جنمی کسی نے اُسے چھوا وہ جان جائے گی۔۔۔۔۔ میز کا دروازہ اشارہ ہے عورت کے عضو مخصوص کا۔ اس کی تعبیر یہ تھی کہ وہ جانتی تھی کہ جنسی مباشرت کے بعد اس امر کا پتہ چل جاتا ہے اور اس وہ کے نتائج سے خوف کھاتی تھی۔ ان تینوں خوابوں میں ”جاننے“ پر زور دیا گیا ہے۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ اُسے سمجھنے کے تجسسات یاد تھے جو اس نے جنس کے بارے میں کئے تھے اور اس زمانے میں وہ اس بات پر بہت نا افسانہ بھی تھی۔

ایک اور خواب سنئے۔ ۱۔

ایک عورت نے خواب دیکھا کہ ایک آفیسر سرخ ٹوپی پہنے اس کا تعاقب کر رہا ہے وہ بھاگ

کریز میوں پر چڑھ گئی اور اسر بھی اس کے پیچھے ہے۔ عورت کا سانس پھول گیا ہے اور اپنے کمرے میں جا پہنچتی ہے اور اندر سے دروازہ بند کر لیتی ہے۔ اسر باہر رہ جاتا ہے۔ اندر سے عورت دروازے کے چیمبر سے باہر دیکھتی ہے تو اُسے مردیچ پر بیٹھا دوتا نظر آتا ہے

اس خواب کی تعبیر کرنے سے پہلے اُن حالات کا ذکر ضروری ہے جن میں یہ خواب دیکھا گیا۔ ایک مرد عورت جو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ایک رات اکٹھے سو گئے انہوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ مباشرت کے دوران میں خارج شدہ مادہ عورت کے اندام نہانی میں نہ جانے پائے۔ دوسرے دن صبح اٹھتے ہی عورت نے یہ خواب سنایا۔

اشارات کی روشنی میں سرخ ٹوپی والے اسر کا تعاقب کرتا۔ سیز میوں پر چڑھتے ہوئے دم پھول جانا یہ جنسی فعل ہے۔ خواب میں عورت نے دروازہ بند کیا ہے۔ حالانکہ بیداری میں مرد نے یہ احتیاط برتی تھی اور حمل کے امکانات کو روک دیا۔ عورت نے اپنے قلق کو اپنے ساتھی پر منتقل (Project) کیا۔ اس لئے اُسے مرد دوتا دکھائی دیا۔ مرد کے آئسو خارج ہونے والا مادہ بھی ہے۔ اس خواب کی روشنی میں فرائڈ لکھتا ہے اور تجزیہ نفس کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہر خواب میں جنس موجود ہوتی ہے۔ اس کی صداقت ان خوابوں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کا پہلو بھی صاف ہے

خواب اور اس کی تعبیر یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے جس پر فرائڈ اور اس کے پیروؤں نے بہت زیادہ کام کیا ہے۔ اس مختصر کتاب میں ہم بہت انحصار سے سوئی سوئی باتوں کا ذکر کر پائے ہیں۔ تجزیہ نفس میں خواب کی اہمیت کا اعجاز ان نظریات سے لگ سکتا ہے جن کی روشنی میں فرائڈ نے زندگی کے سارے محقروں کو حل کیا ہے

ایک جائزہ

کبھی آپ کو پاگل خانے جانے کا اتفاق ہوتا وہاں آپ ایک ایسا نظارہ دیکھیں گے جو نہ صرف آپ کے لئے سوہان روح ہو گا بلکہ آپ کو اپنے انسان ہونے پر شرم محسوس ہوگی۔ وہاں انسان ”بند“ ہیں اور ان کی حالت جانوروں سے بدتر ہے۔ یہ لوگ دماغی عارضوں کا شکار ہیں۔ طب انہیں تندرست نہیں کر سکتی۔ جسمانی سزا کے ذریعے انہیں راہ راست پر لانے کی کوششیں بے کار ثابت ہو رہی ہیں۔ برسوں ایک انسان اس چار دیواری کے اندر سکتا رہتا ہے۔

ابھی کوئی زیادہ مدت نہیں گزری کہ مسویا اور دہم دہنی بیماریوں تک کو بھوت پریت کا اثر قرار دیا جاتا اور ہمارے دیہات اور قصبات میں تو ابھی تک ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ تجزیہ نفس کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے دہنی بیماریوں کا علاج تلاش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا علاج ہے جس کے ذریعے طبیب بھی دہنی اور مہمی امراض کا علاج کر سکتا ہے۔ تجزیہ نفس کا مسوجد سکھنڈ فرائڈ خود طب کے پیشے سے تعلق رکھتا تھا۔ جب پہلے پہل اس نے اپنی تحقیقات اپنے ہم پیشہ ڈاکٹروں کے سامنے پیش کیں تو اس کا تسخیر اڑایا گیا۔ اُسے ”بیوقوف“ قرار دیا گیا لیکن اب وہ دقت ہے کہ تجزیہ نفس کے ذریعے ڈاکٹر دہنی امراض کا علاج کرتے ہیں۔

اب طبی اور سماجی مسائل کے درمیان تجزیہ نفس ایک اہم کڑی ہے۔ طب کی نئی تحقیقات میں ایک نیا زاویہ نگاہ کام کرنے لگا ہے۔ جو اسے تجزیہ نفس کی بدولت میسر آتا ہے۔ اب اس بات پر زور دیا جانے لگا ہے کہ انسانی جسم میں جنسی دہاؤ دہنی تکلیف وغیرہ سب کے سب حرکی یا (Functional) ہوتے ہیں اور ان کا اثر اعصاب کے کام پر پڑتا ہے۔

نوراسز (اعصابی امراض) میں طب لاچار تھی۔ تجزیہ نفس نے اس میدان میں سب سے زیادہ اچھے نتائج پیدا کئے ہیں۔ نوراسز میں طب کی بے چارگی سے دوہرا نقصان تھا۔ ایک مریض

تندرست نہیں ہوتا تھا اور دوسرے نیم حکیم مریضوں کو خوب یہ قوف بتاتے تھے۔ ہر ڈاکٹر کو اپنی تعلیم کے دوران میں جسم کی ساخت اور اعمال پر جس قدر توجہ دینی پڑتی ہے اس کے مضر مشیر بھی ذہن پر مرکوز نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ڈاکٹروں کو (Pathology) پر سوچنے وقت نفسیات سے مدد لینے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو یہی کرتے ہیں کہ مرض کے خارجی اسباب اور علامات کو دیکھا اور نسخہ تجویز کر دیا۔ وہ مرض کے نفسیاتی پس منظر کے مجسمت میں پڑنا نہیں چاہتے۔ اس سے زہنی کا ہی نتیجہ ہے کہ آج پانچ گھنٹے کے اندر جا کر بہت کم لوگ تندرست ہوتے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر واقعی اعمال کو نظر انداز کر کے محض جسمانی علامات کو سامنے رکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں میڈیکل کالجوں میں پانچ برس کے نصاب میں نفسیات پر دو ایک لکچر دلا کر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہونے والے ڈاکٹر کو نفسیات کا اتنا علم ہی کافی ہے پھر جنسی مسائل کو پانچل پس بست ڈال دیا جاتا ہے۔ گویا ڈاکٹر کے لئے جنس اور اس کی واقعی اثرات ایک غیر ضروری موضوع ہے۔ اعضاء کی ساخت اور جڑ چھاؤں سکھا دی جاتی ہے لیکن جنس کا نام لینا اسی طرح "منوع" ہوتا ہے جس طرح لڑکیوں کے سکول میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر جب ڈگری لے کر کالج سے نکلتا ہے تو وہ ایک عام آدمی سے زیادہ جنس کے متعلق علم نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ مرض کے اسباب میں جنس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اپنے علم کو مکمل کرنے کی بجائے وہ سرے سے انکار کئے جاتا ہے۔

اب ہر ڈاکٹر کو تجزیہ نفس کا کافی علم ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر طب مکمل نہیں ہو سکتی طب کے مختلف شعبوں میں ہر ڈاکٹر ماہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہر ڈاکٹر کو طب کے تمام شعبوں کا کچھ نہ کچھ علم ہونا لازمی ہے۔ تجزیہ نفس بھی طب کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے ہر ڈاکٹر کو اس کے بنیادی اصولوں سے واقف ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے مریضوں کی مدد کر سکے۔ اس سے یقیناً مرض کی تشخیص میں سہولتیں ہوں گی۔ بچپن اور متوسط شباب کے زمانہ میں ایک ڈاکٹر جو تجزیہ نفس کے اصولوں سے آگاہ ہے اپنے مفید مشوروں سے دائمی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے اور فرد کو آئندہ کی غرضی کے راستے پر گامزن کر سکتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچپن کا یہ مشورہ آئندہ زندگی میں اعصابی مرض پیدا ہی نہ ہونے دے۔

اگر ایک طیب مریض کی تشخیص کرتے وقت مختلف جہتوں جنس خواہشات ندرت وغیرہ کا

خیال رکھے اور دیکھے کہ ان کی وجہ سے جسمانی اور ذہنی طور پر مرض میں کتنا اضافہ ہوا ہے تو نتیجہاً وہ زیادہ کامیاب رہے گا۔ جنہوں کا تعلق ان رجحانات سے ہوتا ہے جو انسان کے جسم کے اندر کی صورت میں موجود ہیں ان (Germ Cell) کا گہرا تعلق جسمانی اعمال سے ہے اور ان اعمال کے ذریعے ہی جسم میں بہت سی کیمیائی اور مضبوطی تبدیلیاں ہوتی ہیں تجربہ نفس ان تبدیلیوں کی اساس کو زیرِ تحقیق لاتا اور یوں جسم اور ذہن کے مطالعہ میں ایک سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی مدد سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی جکی ہے کہ کئی ایسی (Anatomical) تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کا باعث خرد اسز یا لاشعور کی ذہنی تکلیف ہوتا ہے۔

دیوانگی نفسیاتی اور جسمانی حالتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ بہت سی حالتوں میں دیوانگی بلاشبہ جسمانی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی مد میں بھی نفسیاتی اسباب ہوتے ہیں جنہیں ایک ماہر نفسیات ہی سمجھ سکتا ہے۔

اس سلسلے میں تجربہ نفس کی تحقیقات قابلِ ستائش ہے۔ دیوانگی کی اقسام میں سے (Dementia Praecox) بہت عام ہے۔ تجربہ نفس کے ذریعے اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے اسباب کو کریا گیا ہے۔ ابتدائی صورتوں میں ایسے دیوانے کافی صبرِ ست بھی ہو گئے۔ اس سلسلے میں (Paranoia) خبط (Mania) مانچہ لیا (Melancholia) بھی آتے ہیں۔ ان کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے۔ اس پر تجربہ نفس کے ادب میں کافی مواد موجود ہے۔

طب اور تجربہ نفس کا استراج حیرت انگیز نتائج پیدا کر رہا ہے۔ کئی فرائض اکیلا تھا لیکن آج ہزاروں ماہرین طب تجربہ نفس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

تجربہ نفس کا عملی پہلو تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فرائض کی تحقیقات کے مطابق بچے معصوم نہیں ہوتا بلکہ پانچ برس کی عمر تک وہ بہت کچھ جان چکا ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بچے کو ایک ٹھنی کو پیل کہا جاتا تھے ہدھر چاہیں سوڑ دیں۔ لیکن نئی تحقیقات اس کو گھج نہیں سمجھتی۔ یہ کوئیل مڑتی نہیں نیز می ہو جاتی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔

تجربہ نفس کی تحقیقات سے جو روشنی ہمیں میسر آئی ہے اس کے ذریعے ہم بچوں کو نئے طریقوں سے تعلیم دے سکتے ہیں۔ تعلیمی اصول تجربہ نفس کے نظریات کے مطابق مرتب کئے جا

سکتے ہیں۔ یہاں تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ مختصراً چند نکات بیان کئے جائیں گے۔
 بچے کی فطرت میں علم کی تلاش ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ تجسس کرتا ہے۔ لیکن جوئی
 اُسے تعلیم کے لئے استاد کے سپرد کیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ
 شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا اس پر کڑی تنقید ہے۔ اس کی ”بہتری“ کے لئے جو
 ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ اُن سے بچے کی بہتری تو کیا ہوگی۔ اتری ہوتی جاتی ہے۔ اُس
 زمانے میں بچہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے لیکن استاد اس فطری رجحان پر ضرب کاری لگاتا ہے۔
 اس کا نتیجہ مختلف الجھنوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ذہین بچے لکھتے
 پڑھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ استاد کی تنقید جتنی اخلاقی ہوگی اتنا ہی اس کا رد عمل
 زیادہ شدید ہوگا۔ اور بچے کی آنکھ و ذہانت پر برا اثر پڑے گا۔

بچوں سے ایک اور نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ بچے کے لاشعور میں اپنے والدین کے متعلق ایک
 خاص اہمیت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ سکول میں جاتا ہے تو وہی مقام استاد کو مل جاتا ہے۔ یہ تعلق
 محض سطحی نہیں ہوتا کہ استاد یا والدین کا رعب بچے پر مسلط رہتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر گہرا
 ”شہوانی“ (Erotic) تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا مظاہرہ عام ہوتا رہتا ہے لڑکیوں میں یہ زیادہ
 نمایاں ہوتا ہے ان ”شہوانی“ تعلقات کی نشوونما میں کئی دباؤ اور رد عمل شامل ہوتے ہیں اور کئی
 مثبت اور منفی رجحانات مل کر ان تعلقات کو پختہ کرتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان باتوں کو پیش نظر
 نہ رکھا جائے گا کوئی تعلیمی نظریہ مکمل نہیں کہلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاگرد اور استاد کے تعلقات
 اس لحاظ سے استوار ہوں تو تعلیم موثر اور آسان ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ مضمون جو بچے کو بڑھایا جاتا ہے۔ اب تک تو یہی ہوتا آیا ہے کہ ایک بچہ باقی
 مضامین میں کافی ہوشیار ہے مگر ایک خاص مضمون میں کمزور ہے۔ اس کمزوری کو اس کی ذہانت کی
 کمی سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن تجزیہ نفس نے تحقیقات سے معلوم کیا ہے کہ اکثر مبالغوں میں اس کی کا
 باعث جنی نقص نہیں بلکہ کسی روک (Inhibition) اور ارتقا (Sublimation) کی تکلف کا
 نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر بچہ ریاضی میں کمزور ہے تو اس کے متعلق بچے کے لاشعوری علامات ہوں گے
 جن کا رد عمل اُسے ریاضی میں کمزور کر دیتا ہے۔ اس پر جب اور غور کریں تو بہت سی باتیں سامنے
 آتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر شعوری موضوع کسی لاشعوری تصور سے متعلق ہو جاتا ہے اور بعض

اوقات ان کے اشاریے (Symbols) بن جاتا ہے۔ ایسے بچوں کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے حساب کے سوالات ہی صرف مشکل نہیں ہوتے بلکہ وہ گنتی بھی بھول جاتے ہیں اور ان کے لاشعور میں روک کا گہرا اثر تھا۔ حساب کے مضمون سے ان کے ذہن میں گنتی کا تصور آتا ہے اور گنتی سے انگلی پر شمار کرنا اور انگلی..... یہ وہ اشاریہ (Symbols) ہے جس نے مضمون میں کمزوری کا حال بنا دیا۔ اس سے ہی متعلق روک تھمی۔ اکثر ہوتا ہے کہ تجربے نفس کے دوران میں مریض نے جس مضمون میں اپنے تئیں کزدہتا جاتا ہے اس سے لاشعوری دباؤ دور ہو گیا تو وہ نقص بھی ہاتی نہ رہا۔ یہ ایک نیا زاویہ نگاہ ہے جس کی مدد سے کسی مضمون میں بچوں کی غیر دلچسپی کا ذکر ہے اور ماہرین تعلیم اس روشنی میں مزید تجربات کر سکتے ہیں۔

بچوں کی پرورش کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بچا اپنی نشوونما کے دوران میں لاشعوری طور پر ایسی گفتگوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے جو اس کے مستقبل کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں ہمیں تجربے نفس ایک نیا راستہ دکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ ہر فرد کا کردار خواہ برا ہو یا بھلا پانچ برس کی عمر تک مکمل طور پر بن جاتا ہے۔ اس کے بعد کے اثرات صرف سلی ہوتے ہیں ان سے زیادہ سے اتنا ہو جاتا ہے کہ بنیادی خصوصیات میں کہیں کہیں معمولی رد و بدل ہو جائے۔ ان پہلے پانچ برسوں میں بچے کو ایک ایسی ابھی ہوئی ہڈی بنانی نشوونما میں سے گزرنا پڑتا ہے جس کے حصول کے لئے انسانیت کو پچاس ہزار برس گزر گئے ہیں اور یہ ہے ابتدائی جہتوں کو مہذب بنانا۔ اس لئے ہمیں بچے کی مشکلات کو سمجھنا اور محسوس کرنا چاہئے۔ مبر و تحمل سے کام لینا اور ان کی "خطاؤں" کو درگزر کرنا چاہئے۔ اس کے جسم کے لئے خوراک کی ضرورت ہے اور ذہنی نشوونما کے لئے محبت کی۔ لیکن پرورش کے دوران میں بقدردان محبت کی جہلت کے بہت سے مظاہروں کو بچے سے چھڑانا بھی پڑتا ہے۔ اگر بچہ اسے برداشت کر لے تو اس کے اثرات اسے ضرر دہاں نہیں ہوتے۔ اس زمانے میں والدین کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اسی زمانے میں وہ اخلاق کے نیچے دھب بھی جاتے ہیں اور شرائط سے دوسروں کا ناک میں دم بھی کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ شرائطیں تقصیر کے احساس (Guilt Feeling) کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

والدین عموماً خیال کرتے ہیں کہ انہیں بچوں کے سامنے اپنا نمونہ نہایت مکمل صورت میں پیش کرنا چاہئے۔ حالانکہ ان کا ایسا کرنا بچوں کے لئے تو چنداں مفید نہیں ہوتا۔ ہاں والدین کی اپنی

”عزت نفس“ کا زیادہ احساس ہو جاتا ہے۔ اس سے بچے کو زندگی کی گہرائیوں کا کوئی علم نہیں ہونے پاتا اور آئندہ زندگی میں وہ محسوسے میں رہتا ہے۔ جنس کے معاملے میں تو والدین بڑی ”ہدایتی“ سے کام لیتے ہیں۔ ایک تجزیہ کار خوب جانتا ہے کہ اس ”ہدایتی“ کا کتنا برا اثر جواں سالوں میں ہوتا ہے۔ بچے جیسی طور پر شعوری یا غیر شعوری ذرائع سے اس سے بہت کچھ زیادہ جانتے ہیں جتنا خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تجزیہ نفس کی روشنی سے ہی زندگی کو نئی راہ مل سکتی ہے۔ کسی بات کا ہر اعظم اس بات کے بتانے سے نہیں بلکہ اس کے کرنے کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے۔ بچہ اسی حالت میں کسی بات سے مستفید ہو سکتا ہے جب والدین کی رضا حاصل ہو ورنہ کسی بات کے کہہ دینے سے کام نہیں بنتا۔

بچے کے تجزیہ کے دوران میں ایک نئی دریافت یہ ہوئی کہ وحشی انسان اور بچے میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے۔ جب تجزیہ نفس بچے اور وحشی انسان کی ذہنیات کے درمیان ایک مطابقت کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس طرح بچے کے سر بچے کو کم کیا جا رہا ہے۔ بلکہ تجزیہ نفس تو بچے کے ذہن کی زیادہ عزت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عام خیال کے خلاف یہ ذہن جواں ذہن سے زیادہ پیچیدہ اور اس سے کوئی زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ توہمات، سحر پر ایمان اور ایسے دوسرے خیالات جو وحشی انسانوں میں پائے جاتے ہیں ان کے پس پردہ استدلال (Reason) سے زیادہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح تجزیہ نفس کی تحقیقات بتاتی ہے کہ بچوں کے خیالات میں بھی جذبہ ہوتا ہے وہاں بھی استدلال کا فقدان نظر آتا ہے۔

انسانیات (Anthropology) کا مطالعہ تجزیہ نفس کی تحقیقات کی روشنی میں کرنے سے ہمارے سامنے نئی نئی باتیں آتی ہیں۔ ایک طرف جب لاشعور کو زیادہ کر دیا گیا تو اس سے انسانیت کے بہت سے اچھے ہوئے مسائل حل ہوتے نظر آنے لگے۔ عورات کا خوف، ماں کا حق، (Couvade) ^۱، تنہی (Tabu) پیدائش کے وقت کے رسومات تو ہم پرستی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جنہیں وحشی اقوام میں یہ رواج ہے کہ جب ان کے ہاں بچے کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو مرد بستر میں لیٹ جاتا ہے۔ اس رسم کا نام Couvade ہے۔

۲۔ وحشی قبیلوں میں بعض اشیاء یا انسانوں کو اس لئے نہیں چھو رہا تھا کہ اس سے کسی مذہبی حکم یا سحر کی خلاف ورزی ہوگی۔ ایسی اشیاء یا انسان ”تنہی“ کہلاتے ہیں۔ فرانز نے ”تنہی اور توہم“ کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔

ضمیمہ جن کا سمجھنا مشکل تھا۔ لیکن لاشعور کے علم سے یہ آسان ہو گئیں۔ دوسری طرف انسانیات کی حقیقتات میں جو مواد یکجہاں اس سے تجزیہ نفس کے نظریات کو وسعت میسر آئی۔ ہمارے ہاں کے بہت سے ادارے دروسات، سماجی رواج اور معتقدات کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ وہ لاشعور کی کشش کا نتیجہ ہیں۔ یہ کشش بالکل ویسی ہی ہے جیسی بچوں میں پائی جاتی ہے اور جس سے نورداتی مرض پیدا ہوتا ہے۔ جس کا علاج تجزیہ نفس کا بنیادی کام ہے۔

فرائڈ نے نورداتی مریض اور وحشی انسان کے واسطہ کو حیوانی حیثیت دی ہے۔ اس پر اس کے دوسرے پیروؤں نے کافی کام کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ تمام وحشی انسان نورداتی مریضوں سے ملے جلتے ہیں۔ کیونکہ دونوں ہی جنسوں کی ابتدائی صورتوں کے قریب ہوتے ہیں اور اصول لذت کے تابع ہو کر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ پیارا اور دوستی سے نفرت اور غاصت قریب ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کے رجحان میں پیارا اور نفرت دونوں موجود ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رجحان خوف اور اس احساسِ تقصیر پر جو انسان کی کھلی میں ہے قابو نہیں پاسکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وحشی انسان اور نورداتی مریض اخلاق کا بہت خیال رکھتے ہیں گو اُن کا طریقِ عمل غیر معقول ہوتا ہے۔ اس سے ایک اور بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وحشی انسانوں کی نورداتی زندگی مہذب انسانوں سے زیادہ باقاعدہ اور سماجی قوانین کے تابع ہوتی ہے۔ کیونکہ وحشی انسان لاشعور کی کشش پر قابو پانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے اُس سے کسی نورداتی علامت کا اظہار ہو جائے تو اُسے سماجی زندگی میں مداخلت خیال کیا جاتا ہے۔

اسی سے ہمیں تہذیب کی نشوونما کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اب بھی جو وحشی انسان موجود ہیں اُن کا اور ان کے ساتھ ہی بچوں اور نورداتی مریضوں کا مطالعہ ہمیں کئی ایسی باتوں کی نشان دہی کرتا ہے جن سے انسانیت اپنے ابتدائی دور میں کسی نہ کسی حالت میں سے ضرور گزری ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی نشوونما کے دوران میں ابتدائی زمانے کے ارتقائی حالتوں کا شاہد اب بھی موجود ہے اسی طرح لاشعور کی بعض حالتیں بھی انسانیت کے چلی نشوونما کے گزشتہ تجربات کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس سے آدی کے ماضی کے متعلق بہت سے نتائج مرتب کئے گئے ہیں۔

ایلی ہیس اُبھمن کی دریافت انسانیات کے نظریات میں ایک اضافہ ہے۔ وحشی انسانوں میں عمرات سے دوری مردم خوری اور باپ کا قتل اسی اُبھمن کا نتیجہ ہیں۔ ”قبیلے کے بزرگ“ اور

”نوجوان“ مردوں کے درمیان ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے اور یہ جنگ سماجی اور مہذب زندگی کی بنیادوں کے استوار کرنے میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہیں سے قانون اخلاق اور بعض مذہب پیدا ہوتے ہیں۔

سماجی اداروں اور قانون سازی کا تعلق کسی حد تک باہمی رفاہ عام، اقتصادیات اور حفظانِ صحت وغیرہ سے ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ تعلق وقار، عزت، حسب الوطنی، جماعتی اور جنسی کشاکش حکومت کے نظریات انصاف کے تصورات اخلاقی چلن کے ضابطے ایسی آدرش قدروں سے ہوتا ہے۔ یہاں بھی تجزیہ نفس ایک نئی راہ دکھاتا ہے اور ان لاشعوری کو اچا کر کرتا ہے جو فرد اور سماج کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں سماجی اور مذہبی ادارے اس لئے معرض وجود میں آئے ہیں کہ ان کے ذریعے ابتدائی جبلت و رجحانات پر قابو رکھا جائے اور یہ کیوں ہے؟ کیا ہے؟ اور اس کے نتائج؟ اس کا علم تجزیہ نفس دیتا ہے۔

اقتصادیات میں روپے پیسے کا سوال آتا ہے۔ جسے عموماً لوگ آزادی سے سوچ سکتے ہیں نہ اس بارے میں روپے اختیار کرتے ہیں۔ تجزیہ نفس نے جب اس روپے کی چھان بین کی تو حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ لاشعور میں روپے پیسے کا اشارہ ”مکدگی“ ہوتا ہے۔ عام خیال بھی موجود ہے کہ خواب میں پانچاندیکھنا دولت ملنے کی بشارت ہوتی ہے۔ روپے پیسے کی ہاتھ کا میل کہا جاتا ہے اور یہ لاشعوری اثر کا نتیجہ ہے کہ امیر لوگ خیس ہوتے ہیں۔

اب ذرا حکومت کو لیجئے۔ راجی اور رعایا کے تعلقات اور ان کی وجہیں کیاں کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ حکومت کے خلاف ہر ملک میں ہنگامہ چاہتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہے۔ تجزیہ نفس کے خیال کے مطابق یہ ہنگامہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا باپ اور بیٹے کے درمیان کشاکش کی صورت اختیار کئے رہتا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ کو لوگ باپ اور ماں سمجھتے ہیں۔ لاشعوری طور پر رعایا انہیں اپنے والدین سے نسبت دے لیتی ہے۔ روزمرہ بول چال میں حاکم کو ”مائی باپ“ کہا جاتا ہے۔ پریس کی کہانوں میں بھی اپنے ماں باپ بادشاہ اور ملکہ کی صورت میں موجود ہوتے ہیں، قائد اعظم کو پاکستان کا باپ کہا جاتا ہے۔ انا ترک کا لقب بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ مہاتما گاندھی ہندوستان کے ”باپ“ ہیں۔ یہ ساری شہادتیں بتاتی ہیں کہ بادشاہ یا حکومت کا مصدر ہمیشہ باپ کا نام مقام ہوتا ہے اور ملکہ ماں کی۔ وزیر اعظم بہت کم مقبول ہوتے ہیں۔ لوگ ہمیشہ بادشاہ یا مصدر

سے محبت کرتے ہیں اور وزیرِ اعظم کے خلاف ہر ہڈ بے کاک اٹھار کر لیا جاتا ہے اور بادشاہ یا صدر کو دودھ کے لئے پکارا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بچا اپنے باپ کو "قادر مطلق" خیال کرتا ہے اور چونکہ بادشاہ یا صدر باپ کا اشاریہ ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

سامی مسائل کا بہت زیادہ انحصار الجھن جنس کی جہلت پر ہے اور یہ صرف تجویزِ نفس کی تحریک ہے جو اس جہلت کی الجھنوں کو دور کر سکتی ہے اس لئے یہ کہنا سہانہ نہیں کہ تجویزِ نفس کے ذریعے شادی، طلاق، منہا تولید، عورت مرد کے باہمی تعلقات ایسے سامی مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ خاندان کو سماج کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود آج کے سماج میں خاندان کے خلاف نوجوان بغاوت کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اس کا صحیح جواب مہربانات بھی شاید ہی دے سکے مگر تجویزِ نفس کا جواب موجود ہے وہی باپ بیٹے کی کشش کا حل جس کے بغیر سماج کا سارا امن اور نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قانون اسے جرم قرار دے کر مجرم کو سزا دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے علاج ہو گیا لیکن حقائق اس کے خلاف ہیں۔ جرم روز افزوں ترقی کرتا جا رہا ہے۔ قانون کی سخت گیری نا کارہ ثابت ہو چکی ہے۔

اب نئی روشنی میں فرد کی جہتوں، جنس و ہوا، اعصابی تناؤ اور فحش الجھنوں کا تجویزِ جرم کو ایک نئے روپ میں پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ علاج قید و بند میں نہیں بلکہ ماہر نفسیات کے کلینک میں ہے۔

جب مجرم کو ایک مریض سمجھ کر اس علاج کا کیا جائے تو اس سے سماج کی بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور ہم ایک ایسے سماج کی تشکیل کر سکتے ہیں جو صحت مند ہونے کے علاوہ ہر سکون بھی ہوگا۔ اس کا تجربہ بعض ممالک میں کیا جا رہا ہے۔ قانون اور ماہرینِ نفسیات مل کر مجرموں کا علاج کرتے ہیں اور نتائج امید افزا ہوئے ہیں۔

تجویزِ نفس نے انسانی فطرت کی گہرائیوں کے مشاہدے سے جو حقائق پیش کئے ہیں ان میں سب سے اہم جنس جذبے کی نشوونما کا نظریہ ہے۔ اس نظریے کی روشنی میں جب ہم ادب اور آرٹ کو دیکھتے ہیں تو ان کی ساری قدریں بدل جاتی ہیں۔ یہاں ہم سارے ادب پر تو نظر نہیں دوڑا سکتے۔ صرف شاعری کے دو ایک پہلوؤں کا تجویزِ نفس کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

جنسی جذبہ اپنی طبی حالت تک پہنچنے سے خوشتر فحش (Oral) ہرزی (Anal) اور مہابی

(Sadistic) منازل میں سے گزرتا ہے جو بہت عجیبہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے ذہنی منزل بہت اہم ہے اور شامری سے اسی کا زیادہ تعلق ہے۔ ”ماں کا پستان بچے کی“ بھوک ہی نہیں مٹاتا بلکہ اس سے بچے کو ایک خاص حظ بھی حاصل ہوتا ہے جس کا تعلق منہ سے ہے۔ یہ اول حظ بچے پر اتنا گہرا اثر چھوڑ جاتا ہے کہ وہ ماں کے پستان کے بدل کے طور پر انگوٹھا چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ انگوٹھا چوسنے سے اس کی بھوک کی تسکین نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کے منہ کے اندورنی حصے کو تحریک میں لا کر حظ کا باعث بنتا ہے۔ یہ حظ بچے کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے اور اس میں کسی خارجی قریب کو دخل نہیں ہوتا۔

جب جنسی جذبے کا ارتقاء ذہنی منزل پر رک جائے تو اس کا اثر زیادہ کھانے میں ظاہر ہوتا ہے۔ سگریٹ چٹا، پنچل سرے چہاں کلور چیزوں کو چوسنا اسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ جنسی جذبے کے رکاز کا اثر ہے اور انگوٹھا چوسنے کا بدل۔ پان، تمباکو، چائے یہ سب اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اس سے ذرا آگے سے لوشی آتی ہے۔ یہ بھی ذہنی حظ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے شاعر یا تو شراب پیتے ہیں یا اپنی شامری میں اسی خواہش کا اکتھار کرتے ہیں۔ ریاض خیر آبادی نے مرہر شراب کو چھوا تک نہیں لیکن ان کے کلام میں شراب کا اتنا ذکر ہے کہ بہت کم اشعار اس کے ذکر سے خالی ہوں گے۔ غالب، جوش اور اختر شیرانی کا کلام لیجئے تو اس میں شراب سے حظ کا ذکر ظاہر طور پر موجود ہے۔

الفاظ سے بھی ذہنی حظ کا کام لیا جاتا ہے ایسا آدمی جس کا جنسی جذبہ اس منزل پر رک گیا ہو اپنی گفتار میں فیروں کے خلاف چیتے ہوئے جملے استعمال کرنے کا عادی ہوتا ہے وہ ایسے الفاظ بولتا ہے کہ جن سے کانٹے رگڑنے یا چیتے کے معنی پیدا ہوں۔ اُردو میں جوش طبع آبادی کی یہی خصوصیات ہیں۔ وہ اپنے مخالف کو نہایت حیر طعنوں کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کی نظموں میں ایسے الفاظ کی کثرت ہوتی ہے جن سے کانٹے یا چیتے کا فعل ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نظم ”بلوغ حیات“ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

دوستی سے دشمنی کا جب پہچتا تھا خام
ہونگے گن تھا میرے دل میں شیر انعام

رانگی کو بوجھنے لگا تھا جب بھتی تھی تانت
 مٹیوں کو بند کر کے پیٹنے لگا، تھا دانت
 دیکھتا تھا آدمیت کو دناہمت کا نکار
 اپنے گتے تھیں گردن کی رگیں بے اختیار
 دل یہ کہتا تھا کہ ہر سینے میں غنجر بھونک دوں
 غلغلے کو بھڑکے ہوئے دوزخ کے اندر بھونک دوں
 دھمکی کی موج میں زہر ہلائی گھول دوں
 جی میں آتا تھا کہ توہیں کے دہانے گھول دوں
 دُعا کروں، قتل کر ڈالوں، سروں کو پھوڑ دوں
 جھٹوں کو پست کروں، گردلوں کو توڑ دوں
 خون کی چھائی زمیں کو آدمی کا خون دوں
 خاک کر ڈالوں بھسم کروں جلا دوں بھون دوں
 قہر بن کر میں جواب دہوہ اٹھیں دوں
 دفن کروں، سرمہ کر ڈالوں، رگڑ دوں، ٹپیں دوں

اُس نظم میں آپ کو ذہنی جھکاؤ انحرافی پہلو ملتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا سواد کی اچھ اور موسیقی کی
 طرز کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

ماہرین تجزیہ نفس کے نزدیک گفت کے ذریعے اپنے منہ کے اندرونی حصہ کو تحریک میں لاکر
 ایک خاص لاشعوری جھکاؤ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لئے گفت کا تعلق بھی جنسی جذبے کے ذہنی منزل
 پر رک جانے سے ہے۔ اردو کے نئے شاعروں میں جعفر جی نے ایک آدمی کی نظم لکھی ہے جو بظاہر
 گفت زبان کی نقل ہے لیکن دراصل اس نے خود جھکاؤ حاصل کیا ہے۔

آئی ایک مشہور نظم ایک گفت زبان لڑکے اور بوڑھے کا مکالمہ ہے۔

بھ کے لال کاہ پہ غلغلہ اگلن
 ی شنیدم کہ بدیں نوع ہی رائے خن

کائے زلالت محکم عشق نامیک
دے زچرت عشق نامیک
ہر گفتار دو اللہ م م معلوم است ای
گلوام سن ہے چارہ زمارہ لکن

الفاظ کے تکرار سے شاعر نے وہی لذت حاصل کی ہے جو انگوٹھا یا منڈائی چوسنے سے ہوتی ہے۔

شاعری کے مختلف پہلو ہیں جن پر بڑی تفصیل سے لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں صرف ہم ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلائیں گے اور وہ اردو شاعری میں "ماں" ہے۔ ایلچی پس اُلجھن کی روشنی میں یہ پہلو بہت دلچسپ ہو جاتا ہے۔ آخر کیا بات ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے پیچھے ہوتی ہے۔ "والدہ مرحومہ" کا مرثیہ لکھا جاتا ہے۔ کتابوں کا احتساب باپ کی نسبت سے "ماں کے نام" زیادہ کیا جاتا ہے۔ ماں سے اس قدر محبت ایلچی پس نظرے کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ "ہم ایک شخص سے ایک وقت محبت بھی کر سکتے ہیں اور نفرت بھی۔ ہماری شعوری محبت غیر شعوری نفرت کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس ہماری انتہائی نفرت کسی غیر شعوری محبت کا مظہر بن سکتی ہے۔" اسی حقیقت کی روشنی میں ماں کا کردار اردو شاعری میں نظر آتا ہے۔ وہ کہیں ایک عام عورت ہے اور کہیں "مادر وطن" بن کر پرستش کراتی ہے۔ اس کی بہترین مثال یوسف ظفر کی نظم "نیگور" ہے۔ اس نظم میں شاعر اپنی ذات "نیگور" میں مدغم کر دیتا ہے اور وہ بچہ ہے۔ دوسرے سارے شاعر اور ادیب اس کے بھائی ہیں "مادر ہند" ماں ہے اور "غیر" باپ۔ یوں باپ بیٹا اور ماں کی ازلی حیثیت مکمل ہو جاتی ہے۔

تجھے ماں کہتے ہوئے عار مجھے آتی ہے
مادر ہند میں اب اور نہیں سن سکتا
جہاں کہ انبیاء سے وابستہ ہے دامن حیرا
ہوئے غیر آتی ہے اب تیرے پیچھے سے مجھے
کیا نہیں سات سندھ میں بھی اتنا پانی
کہ تجھے ملے ہستی ہی سے ناپید کرے

تھ کو آغوش میں + حشر چھپائے رکھے؟
 کیا حالہ کے دل سرد میں غیرت ہی نہیں
 کہ ترے بس بھرے چنے سے اگل دے لاوا
 اور مٹ جائے ترا نام ہمیشہ کے لئے؟
 تو نہیں ہے، تیری عصمت، تری غیرت کیا ہے؟
 تھ کو اینوں کے تو آنسو ہی پسند آتے ہیں
 اور غیر کے شرارے بھی ستارے ہیں تجھے
 دیکھتے ہی جیسے کھل جاتی ہیں باجیس تیری
 کون سی بات ہے اس میں جو نہیں ہے ہم میں؟
 اس کی ماں نے بھی کوئی ایسا جنا ہے نگہور
 ایسا ٹھنڈا جو پرستش کرے ماں کی؟
 زندگی کا وہ ظلم سیر درخشندہ شہاب
 جس سے دوچار نہ ہو سکتی ہوں آنکھیں اپنی؟
 تیرے سوتیلوں میں ہوتا اگر ایسا انسان
 جانتے کیا اُسے سرخاب کا پر لگ جاتا

(2)

سات اگست ---- وہ بنگال کا ساحر شاعر *
 ہیں اگست ---- وہ روٹوں کو چسانے والا **
 سات دن کے بعد ---- جہاں بھر کو رلانے والا ***
 ایک -- دو -- تین! تیری بھوک نہیں مٹ سکتی
 ٹو تو ڈائن ہے۔ ترے دانت۔ بھیا تک آنکھیں
 آف! تری بھوک۔ تری بھوک نہیں مٹ سکتی

(3)

مجھ پہ ناراض نہ ہو ماں! میں ترا چٹا ہوں
 بھول تھی میری کہ میں نے تجھے اتنا کوسا
 اور انسوس! مجھے اتنی سمجھ بھی تو نہ تھی
 حیرے ہی بیٹے تھے، تو نے ہی جتا تھا اُن کو
 حیرتی ہی آنکھ کے تارے تھے، جگر پارے تھے
 دیکھا وہ تارے ترے ہا کے لٹک پر چمکے
 جگر اٹھا لٹک اُن کی ضیا ہاری سے
 وقت کی بات تھی، وقت آیا۔ وہ روپوش ہوئے
 ماں! ترے بچوں نے دنیا میں بڑا نام کیا
 بچا ایک صفت 'دائم و قائم' ہے تری
 مونک دلتے رہیں اغیار ترے چنے پر
 حیرتی عصمت تری تاسوس پر طے ہوں، مگر
 کوکہ سے حیرتی جنم لیتے ہیں ایسے بچے
 جن کے مسایوں کو بھی موت نہیں چھو سکتی

پہلے دو بندوں میں باپ سے رگبت کا اظہار ہوتا ہے۔ بچے کو ماں پر غصہ آ رہا ہے، وہ
 کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ماں کا دامن اغیار سے وابستہ سمجھتا ہے اور اُسے ماں کے پیسنے سے بونے
 غیر آتی ہے۔ وہ ہلکا اٹھتا ہے اور پکارتا ہے۔ "تو نہیں ہے حیرتی عصمت حیرتی غیرت کیا
 ہے؟"

یہاں سے وہ چلا کھاتا ہے اس کا ضمیر (Super-Ego) اسے طاعت کرتا ہے اور اُسے
 "احساس گناہ" ہوتا ہے۔ اخلاقی معیار، عمرانی تصورات اس پر غالب آ کر اُسے اقرار گناہ کرنے
 پر مجبور کرتے ہیں اور ماں کو مٹاتا ہے۔ اپنی بھول کا واسطہ دے کر اپنے تئیں چٹا کہتا ہے۔

اختر شیرانی کی مشہور نظم "ایک شاعرہ کی شادی پر" عورت کی دو حیثیتوں کو اجاگر کرتی
 ہے۔ وہی عورت جو کبھی ایک مثالی عورت یعنی ماں کا درجہ رکھتی تھی شاعری نظروں سے گر جاتی

ہے تو وہ ایک بازاری عورت بلکہ اس سے بھی ذلیل تر ہو جاتی ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب تجزیہ نفس کی روشنی میں دیا جائے گا کہ شاعر کا وہ یہ ایک لاڈلے بچے کا سا ہے جو اپنی ماں کی محبت میں کسی اور کی شمولیت برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ حد درجہ حاسد اور بدظن ہے۔۔۔۔۔ کسی عورت کے یہ قول کہ ”آدمیوں کا بس چلے تو وہ اپنی ماؤں کو دو شیزہ ہی رکھیں“ کتنا صحیح ہے۔

ان پہلوؤں کے علاوہ اور بھی دلچسپ پہلو ہیں جن کا مطالعہ فرصت چاہتا ہے، اس پر علیحدہ ایک کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

ادب کا سرسری جائزہ دیتے ہوئے ہمیں دیو مالہ، پریوں اور لوک کہانیوں ایک ذخیرہ ملتا ہے۔ اب تک انہیں بے سرو پا باتیں جان کر قابل اہتمام سمجھا جاتا رہا۔ لیکن اب یہ سارا ذخیرہ بہت قیمتی اور اہم ہے۔ اسی سے ہم انسانیات کے مختلف پہلوؤں کو جان سکتے اور ہر زمانے کے ذہن کو چمکا سکتے ہیں۔ وہ ساری باتیں جو صحیر العقول کہلاتی تھیں اب لاشعور کو سمجھ لینے کے بعد عام باتیں رہ جاتی ہیں۔ بہت سے اشارے ہیں جن کا فرد کی زندگی میں سمجھنا محال تھا، دیو مالہ اور لوک کہانیوں کے ذریعے آسان ہو گیا ہے۔

دیو مالہ، پریوں اور لوک کہانیاں کیا ہیں؟ انسانی تخیل کی پییدوار اور انسانی تخیل کو سمجھنا تجزیہ نفس کا کام ہے۔ یہ تخیل اس کے سوا اور کچھ نہیں انسانیت کے ابتدائی دور کی تشاؤں اور خوف کا بھرپور ہے۔ یہ بھرپور بالکل ویسا ہی ہے جیسا خوابوں میں ہوتا ہے اور انسانی قوتیں جو زندگی کے صحیح کاموں اور مقاصد میں تخیل نہ ہو سکیں وہ دیو مالہ کے ذریعے اپنی آسودگی پانے لگیں اور پریوں کی کہانیاں تو تشاؤں کی آسودگی کی سب سے زیادہ روشن صورت ہے۔

بہت سے مذاہب نے پرانی روایات اور دیو مالہ کے اپنے عقائد لئے ہیں اور انہیں پر زندگی اور بلند اخلاقیاتی قدروں کے حصول کو استوار کیا ہے۔ مصر، یونان اور ہند کے مذاہب میں ان دیو مالہ کو بہت زیادہ دخل ہے۔ ان کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں کہنے کی حقیقت میاں ہے۔ دیو مالہ کے خاندانی جھگڑے بالکل ہماری طرح ہوتے تھے۔ آج بھی دیو مالہ کے کردار اب حقیقی انسانوں میں تخیل ہو چکے ہیں۔ وہی تشاؤں اور نا آسودہ خواہشات جو دیو مالہ میں موجود تھیں۔ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کہانیوں کا تجزیہ جتنا ہے کہ ان میں عمارت اور

آنکلی کا خوف، قتل اور خاندان سے متعلق جنسیت ہوتی ہے۔ دلیہ مالاؤں میں جنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ مرد کے خاندان کے افراد کے کا نمقام ہوتے ہیں۔

مہذب لوگوں میں اب بھی بہت پرانے توہمات پائے جاتے ہیں۔ ٹسک کا گراوینا یا سیزمی کے نیچے سے گزرتا منھوس خیال کیا جاتا ہے۔ جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان باتوں میں ضرر رکوتی ایسی بات ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ذہن میں اس کام (ٹسک کا گراتا) اور اس کے منھوس اثر کے متعلق کوئی لاشعوری تصور ہے اور یہ لاشعوری تصور مختلف لوگوں کے نزدیک ایک ہی ہوتا ہے۔ دراصل یہ تصور ایک اشارہ یہ ہوتا ہے جس کے جان لینے سے توہمات کی حقیقت کو پایا جاسکتا ہے۔ بعض باتوں کو ہم خوش بختی سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض کو نحوست سے اور کئی بار ایک ہی بات ایک کے لئے نحوست ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے خوش بختی۔ صرف وقت اور مقام کا فرق ہوتا ہے۔ اس کا امث یہ ہے کہ لاشعوری فعل جسے شعوری فعل سے متعلق کیا جاتا ہے وہ درحقیقت کوئی ممنوع لذت ہوتی ہے اور نحوست لاشعوری طور پر اس لذت کے حاصل کرنے کی کوشش کی سزا اسی طرح خوش بختی اس لذت کا حصول ہے جو بلا سزا کے میسر آ جاتی ہے۔ نحوست کو دور کرنے کا "آپائے" بھی تجویز کیا جاتا ہے۔ مثلاً صندوق کی ٹکڑی کو چھوٹا تیل دان کرنا وغیرہ۔ لوگ بچوں کو نظربند سے بچانے کے لئے ان کے گلے میں "نظرہنڈ" ہانچتے ہیں۔ یہ آپائے خود ایک اشارہ یہ ہوتا ہے۔

توہمات میں احساس گناہ، سزا کا خوف، نا آسودہ خواہشات ہی ہوتی ہیں اور ان سب کا متعلق لاشعور ہے۔ جب توہمات کو زیادہ کر دیا جائے تو ان کی تہ میں لاشعوری کارفرما نظر آئے گا۔ توہم پرستی سے بعض مذہبی عقائد کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔

مذہب کی تاریخ میں سحر (جادو) کا عنصر بھی کافی ملتا ہے۔ اس زمانے میں بھی کئی مذہبی رسومات اسی سحر کی یادگار ہیں۔ مذہبی عقائد کی ابتدا تو وقت کے دھندلکے میں گم ہوگئی ہے اب جو کچھ پتہ چلا ہے وہ وحشی اقوام، مصمیات، اساطیر اور بشریات کے سواو سے ملے۔ انسانی محرکات وہ اچھے ہوں یا برے ان کا متعلق بیرونی واردات سے رہا ہے چنانچہ طوفان، ہوائیں، سمندر کے مد و جزر، بارش، بجلی، مگر ج وغیرہم مذہبی معتقدات پر اثر انداز نظر آتے ہیں۔ ان کی

روک تھام کے لئے سحر کا عمل پیدا ہوا۔ جادات میں روح پر یقین رکھنے والے لوگوں نے پہاڑ، زمین، سمندر، ہواؤں وغیرہ کو ساری انسانی صفات سے سرفراز کر دیا۔ ان کا یہ ذہنی عمل تحلیل (Projection) تھا۔ اسی سے خیالات اور مقاصد لاشعور سے ابھرے اور یہ رو جس دیوی دیوتا بن گئیں۔ یہ بھی فائدہ بخش ہوتے اور بھی ضرر دے سکتے۔۔۔ جہاں تک فائدہ بخشی کا تعلق ہے اس کی توفیق یوں کی جائے گی کہ یہ عقیدہ دراصل اسی حفاظت اور توجہ کی طلب ہے جو شقیں ماں باپ سے میسر آتی ہیں۔ یہ کون پسند کرتا ہے کہ اس پر سخت گیری کی جائے اور اخلاقی قیود میں جکڑ دیا جائے۔

اسی عقیدے کے پہلو بہ پہلو ہم ایک اور عقیدہ پاتے ہیں جو اپنے اندر کافی وسعت رکھتا ہے یہ مقامات کے ساتھ تعلق کا عقیدہ ہے جس سے بعض جگہیں مقامات اور علاقے حبرک اور مقدس بن جاتے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنے کی تمنا کا اظہار بڑی شدت سے کیا جاتا ہے۔ یہ دم ماور میں واپس جانے کی خواہش ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان مقامات یا جگہوں کی طرف رجوع کیا جائے جو تو تھکلی ہیں یا ان کو آسمانوں میں بتایا جاتا ہے۔ جہاں معتقدین کے آباؤ اجداد رہتے ہیں۔ جن سے مختلف قومیں موسوم ہیں اور ان پر ان کا اختیار خیال کیا جاتا ہے۔ تو تم پرستی (Totemism) قدیم مذاہب میں سے ہے۔ جس میں ایک خاص قبیلے کے لوگ اپنے آباؤ اجداد کو کسی مخصوص جانور سے مناسبت دے لیتے ہیں اور پھر اس جانور کی طرف ان کا خاص رویہ ہو جاتا ہے وہ اسے حرام سمجھتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ایک طرف ایسے جانور کو ہاتھ لگانا گناہ ہوتا ہے اور دوسری طرف خاص خاص مذہبی تقاضا یہ کہ موتیوں پر ان جانوروں کو ذبح کر کے انہیں اسی کنبے کے لوگ کھاتے ہیں۔

دیوی دیوتا کی پرستش کا عقیدہ بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے اور اس کا تعلق ہمیشہ سے حیات جاوداں اور اس پر ایمان لانے سے رہا ہے۔ قدیم زمانے کا انسان لاکھوں برس پہلے یہ عقیدہ رکھتا تھا۔ قبر میں دفن ہونے والے وقت جو رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ ان سے اس جان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابدی زندگی کے نظریے کی ہمہ گیری سے تنازع اور حیات بعد الممات کے نظریات نے جنم لیا۔ یہ دوبارہ پیدائش کیا ہے؟ مردہ انسان کا پھر مختلف خلاؤں میں لوٹنا جو رحم ماور کے اشارات

(Symbols) ہیں۔ اس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ دیوی ماما کی پوجا کیوں کی جاتی ہے۔ حیات ابدی کی نفسی تحلیل ہمیں بتاتی ہے کہ یہ خواہش دراصل موت سے رہشت ہے جس کا انحصار اس خوف پر ہوتا ہے جو جنس کی ناپا سواری سے پیدا ہونا اور آنکلی (Castration) کا خوف کہلاتا ہے۔ تحلیل نفسی کی تحقیقات سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ یہ آنکلی کا خوف لاشعور سے متعلق ہو جاتا ہے اور موت کے خیال کے علاوہ یہ پیدا نش سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ دوبارہ پیدا نش کا تصور موت کے خوف کا ایک مکمل بدل ہے۔ آخر وہی نجات، موت کے بعد زندگی ایک ابدی حیات یہ سب تعلیقات اعلیٰ مذاہب میں موجود ہیں جنت میں نیکیوں کو اطمینان اور عاقبت میسر آنے کا تصور اس سارے نظریے میں سب سے اہم ہے۔ وہاں سکون ہو گا نعمتیں ہوں گی اور ٹیک بندے ہر دکہ درد سے محفوظ رہیں گے۔ یہ عاقبت اور مسرت پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ ہے محبت، انسان کی محبت جس کے جواب میں آسانی باپ بھی اپنے ”بیٹوں“ سے محبت کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔۔۔۔۔ آسانی باپ بھی ایک ہوتا ہے اور کبھی کئی دیتا!

خدا کو باپ کہنا نفسیاتی حقیقت ہے۔ کوئی نکاوہر یہ ہو یا خدا کا پرستار ان دونوں کے عقائد کی دھڑ میں بچپن کا وہ تعلق کا دفرانظر آتا ہے جو انہیں اپنے زہنی باپ سے تھا بچپن کی نشوونما کے دوران میں چند مقامات ایسے آتے ہیں۔ جب بچہ اپنے باپ کو ”کاؤر مطلق“ ”ہمدان“ کو راغلاقی کا مکمل نمونہ سمجھتا ہے۔ پھر جوں جوں اُسے اپنے باپ میں کیاں نظر آتی ہیں اور بعض ایسے دباؤ رد ہوتا ہوتے ہیں جو باپ کے تصور سے تعلق رکھتے ہیں تو اس کا یقین باپ کی برتری سے ہٹ کر ایک اور ان دیکھی ذات پر مرکوز ہونے لگتا ہے۔ جس میں ساری صفات موجود ہیں۔ لیکن سے خدا کے باپ ہونے کا تصور پیدا ہوا ہے۔

جب ہم تاریخی شہادت کی روشنی میں اس تصور کا زیادہ محقق جائیزہ لیتے ہیں تو خدا اور باپ کی مناسبت کی اور بھی تصدیق ہوتی ہے۔ مذہبیات کی زبان میں بھی یہ نسبت موجود ہے۔ اُس کے ارضی نمائند کو بھی یہی نسبت دی جاتی ہے۔ انگریزی میں باپ (Papa) ہے۔ مذہبی راہنماؤں کے نام اسی سے پاپ (Pope) اور پادری (Padri) (پدر سے) بنتے ہیں۔ یہ فہرست تلاش سے اور طویل ہو سکتی ہے۔

زمانے اور حالات کے مطابق جس طرح باپ کا رویہ اولاد سے ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اس زمانے میں خدا کو بھی انہیں صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ بعض مذاہب میں (اس کی ایک مثال کنفیو شس کا مذہب ہے) اپنے بزرگوں کی پرستش اور الوہیت (Diety) کی پوجا ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ بعض مشرقی ممالک اور ہندوستان میں لنگ (Phallus) کی پوجا کی جاتی ہے۔ تحلیل نفسی اس پوجا کی وجہ سے بچے کے ابتدائی ایام کے تجربات بتاتی ہے جب وہ لاشعوری طور پر احترام، عزت، خوف اور تحسین کے سارے محسوسات باپ سے وابستہ کرتا ہے۔ بعض صورتوں میں لنگ کا اشارہ یہ سانپ اور ایستادہ پتھر ہیں۔

اصلی مذاہب میں الوہیت (Diety) کے تصور سے محبت، عصمت، انصاف اور ایسی دیگر صفات وابستہ ہیں اور ان صفات سے اُسے حریم کرنے کے لئے کافی تکفل کا سراغ ملتا ہے۔ عبرانیوں میں یہود وہ کی صفات کا مطالعہ کیجئے۔ اس کی ذات سے بہت سی باتیں متعلق نظر آئیں گی۔ یونانی گناہ کے معاملے میں بہت آزاد نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بہت سے جرائم دیوتاؤں سے منسوب کرنے کے باوجود انہیں اپنے مرتبے پر رہنے دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اگرچہ گناہ کے بارے میں یونانیوں کی طرح ہی محسوس کیا مگر ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ وہ اُسے یہود وہ یا آسمانی باپ کے سر تھوپ دیں۔ اس لئے انہوں نے خدا کا ایک جزو ایجاد کر کے اُسے شیطان کا نام دے دیا اور ساری برائیاں اس کی ذات سے منسوب ہونے لگیں۔ اس کے بعد سے خدا اور شیطان کی طاقتوں میں ایک مسلسل کشمکش نظر آتی ہے۔

تخلیث کا عقیدہ بہت سے مذاہب میں ملتا ہے باپ، ماں اور چٹائل کر خدا کا مقام پاتے ہیں۔ اس کی کافی شہادت موجود ہے کہ تخلیث کے معقولات اور روایات کا انحصار اس لاشعوری کشمکش پر ہے جو ہر گھرانے میں پائی جاتی ہے۔ عیسائیت نے تخلیث میں ماں کی جگہ روح القدس کو دے دی ہے۔ تخلیث کے عقیدے کی وہ میں گناہ کا نظریہ کار فرما ہے۔ ایک خاص معیار تک پہنچنے میں ہر انسان قصور وار ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا اساسی اعتقاد ہے جس کے بغیر تخلیث کا مذہب بے معنی ہو جاتا ہے۔ گناہ کیا ہے؟ باپ کی نافرمانی (یا اس کے خلاف بیعت) ماں کی بے حرمتی۔ یہ دونوں بچپن کی ابتدائی ایڈی پس الجھن کے اجزا ہیں۔ تقصیر (Guilt) کا موضوع بہت

اہمیت رکھتا ہے اور تحلیل نفسی اپنی حقیقات میں اس کی جزویات تک گئی ہے۔ کیونکہ فرد کی شخصیت کے تجربہ میں یہ الجھن بہت اہم ہے۔ خود راقی مسائل اور تقصیر کی الجھنوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا ہے بچوں میں تقصیر کا احساس اور اس کی نازل نشوونما عقوان شباب تک جاتی ہے۔ اس اخلاقی (Moral) اور اخلاقیاتی (Ethical) معیاروں کو وابستہ کیا جاتا ہے۔ ان دونوں کے مابین امتیاز ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ایک کو جمالیاتی اور سائنٹیفک ضمیر (Conscience) کہا جاتا ہے جو نازل ضمیر بھیجن کی ایڈی پس کشش کا وارث ہے۔ بخلاف اس کے عموماً بچوں ہوتا ہے کہ بھیجن کی ابتدائی نشوونما میں اگر غلطیاں ہوں تو اس سے نازل ارتقا رک جاتا ہے اور اس سے لاشعور میں تقصیر کا شدید احساس پیدا ہوتا ہے جو اپنی قومیت کی وجہ سے بھیجن سے تعلق رکھتا اور غیر معقول ہوتا ہے۔ اس کے اثرات مرئیضات ہوتے ہیں۔ مذہب جسے گناہ کہتا ہے اس کا تعلق مذکورہ بالا تقصیر کے دونوں پہلوؤں سے کیا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا جواب طوالت چاہتا ہے۔ یہاں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی احساس کے ساتھ روحانی قدریں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ معتقدات کی اہمیت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس سے انسانی ذہن کی مستحق ترین خواہشات پوری ہوتی ہیں اور لاشعور کا اخلاقی تناؤ کچھ آسودگی پاتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے اگر لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو زندگی کی سب سے قیمتی چیز خیال کریں۔

اعلیٰ مذہب میں باپ سے صلہ جوئی کے سلسلے میں جو مختلف الجھاؤ رونما ہوتے ہیں ان کی کافی اہمیت ہے۔ یہ صلہ جوئی کیا ہے؟ ایڈی پس الجھن کی تہ میں دے ہوئے پرے طیالات (باپ کا نقل اور تافرمانی اور ترویج محرکات) سے بخشش چاہنا اور مصالحت کرنا ہے۔ یہ دو طرح سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں دو قسم کے مذہب ملتے ہیں۔ ایک کو ”مذہب باپ“ (Father Religion) کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو ”مذہب بیٹا“ (Son Religion) کہلی قسم میں تو حید پرستی والے مذہب آتے ہیں۔ یہودیوں میں عقیدہ مسلسل چلا آتا ہے اور وہ اس مذہب کے راہ روؤں میں سے ہیں۔ یہاں صرف باپ کا رفرما ہے اور اسی کی ذات سے ساری باتیں بلا واسطہ تعلق رکھتی ہیں۔ دعا اور ادھر عشرہ (Jen Comm and Ments) اس کا ذریعہ ہیں۔ دوسری قسم میں عیسائیت کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں عقائد کل خدا اور انسان کے درمیان ایک اور واسطہ

بھی ہے اور یہ ہے خدا کا بیٹا۔ بیٹے نے انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ اس نے "باپ خدا" کے غصے کے لئے اپنی قربانی دی اور یوں اس نے ساری انسانیت کے لئے جس کی وہ نجات دہی کرتا ہے مغفرت، مصالحت اور محبت حاصل کر لی۔ اس نکتی کا اثر یہ ہے کہ ایک طرف تو گناہگار اپنے تئیں "خداوند بیٹے" ایسا خیال کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے اور دوسری طرف اپنے ایسے تمام ہم عقیدہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ انہیں اپنے ایسا سمجھتا ہے۔ اس سے گویا گھر بیٹہ ہم آہنگ پیدا ہوتی ہے۔ اور یوں ہر قسم کا حسد اور رقابت اور خصامت جو گھر کی زندگی میں (باپ اور ماں کے درمیان) پوشیدہ ہوتی ہے مٹ جاتی ہے۔

دنیا کے سارے مذاہب مذہب دو متضاد رجحانات مسلسل ملتے ہیں۔ ایک کے ذریعے "نور" دیکھانے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ہر زمانے میں ہمیں عمرات ملتے ہیں جو اس زمانے کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس رجحان کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ یہاں مذہب کا کام بالکل وہی ہے جو فرد کی ذاتی زندگی میں "سو پر ایفو" یا ایفو نیچل مل کا ہوتا ہے۔ فرد میں ایفو نیچل مل اس کا اپنا باپ ہے اور مذہب میں آسانی باپ۔۔۔ دوسری طرف مذہب کے ذریعے ان مختلف انواع کے رجحانات کی آسودگی ہوتی ہے جو عملی یا اخلاقی وجوہ کے باعث زندگی میں نہیں ہو سکتی۔ اب یہ بات مسلمہ ہے کہ مذہبی احساسات کے سرچشموں میں سے جنس سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا جین ثبوت ان اولیٰ قسم کے مذاہب کی رسومات میں ملتا ہے جو یورپ اور امریکہ میں پائے گئے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے مذاہب میں بھی یہ کارفرما ہے مگر مختلف روپ میں یہاں ہر دے زیادہ بھاری ہیں۔ اس کی مثالیں (Black Moss) اور قرون اولیٰ کی (Feast of Fools) ہیں۔ جب ہم مختلف مذہبی رسومات اور احساسات کے مظاہر کا گہرا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی بنیاد میں وہی جنسی خواہشات نہایت شدت سے کارفرما نظر آتی ہیں۔ یہ خواہشات بچپن کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں ان میں ترویج عمرات ہم جنس پرستی کے جذبات ہوتے ہیں۔ مذہب کے ذریعے یہ دہائی ہوئی خواہشات ارتقا کا روپ بدل کر آسودگی حاصل کرتی ہیں۔ دیوتا میں بھی ارتقا ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے تئیں دیوتاؤں سے مطابقت (Identification) دے کر اور اپنی دہائی ہوئی خواہشات ان پر پروجیکٹ کر کے آسودگی پاتے تھے۔ یہ آسودگی ہر مذہب میں موجود ہے خواہ

زمینی دیمیتاؤں ہوں یا ساوی ہستیاں.....

اب ہم وہ مذہبی گروہوں کا ذکر کریں گے، ان میں سے ایک ہے جو اس دنیا کی ساری لذات اور مسرتوں کو خود بھی ترک کر دیتا ہے اور دوسروں پر بھی قہر و لگاتار ہے اور جو ان قہر و کونہ مانے اُسے سزا اور عذاب دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے گروہ میں ارتقاع کے ذریعے وحشی زمانے کی جہتوں کی آسودگی کے لئے ایک راستہ ملتا ہے۔ اس گروہ میں وہ لوگ آتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی کے کام چاہتا ہوں کی امداد اور محبت اور پیار کے دوسرے اعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی دور تحفانہات ہیں جن کی وجہ سے ایک طرف مذہبی تاریخ میں خون کی ندیاں، تڑپتی لاشیں، بھگتے بچے اور محروم عورتیں ہیں۔ مذہب کے نام پر خانہ جنگی ہے۔ عقیدے کے معمولی اختلاف پر عذاب دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انسانیت سے ہمدردی بھائی چارہ اور محبت نمایاں ہے۔ یہ دونوں پہلو درست ہیں کیونکہ مذہب کی اساس ہی دو گونا فطرت پر ہے۔ مذہب تکفیش سے پیدا ہوا ہے اور اس لئے وہ تکفیش پر زندہ رہے گا اور یہ تکفیش وہی ہے جو بچے کی ابتدائی زندگی میں ہوتی ہے۔

.....☆☆☆.....